عیسائیت اور اسلام

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

نام کتاب ——— عیسائیت اور اسلام

طبع اوّل (اکتوبر 1995ء) ——— 2200

طبع دوم (جنوری 2004ء) ——— 1100

طبع سوم (اگست 2007ء) ——— 1100

ناشر ——— ناظم نشرواشاعت مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقامِ اشاعت ——— 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون:3-5869501

مطبع ——— شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

قیمت ——— 15 روپے

email:publications@tanzeem.org
website:**www.tanzeem.org**

عیسائیت اور اِسلام

ڈاکٹر اسرار احمد

بانی تنظیم اسلامی

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-5869501

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

زیر نظر کتابچہ مرکزی انجمن کے صدر موسس' ڈاکٹر اسرار احمد کے دو خطابات جمعہ پر مشتمل ہے۔ پہلا خطاب "پاکستانی مسیحیوں کی خدمت میں چند گزارشات" کے عنوان سے ۱۹/ مئی ۹۵ء کو مسجد دار السلام لاہور میں ہوا اور پھر دو ہفتوں کے فصل کے بعد ۲جون کو اسی مسجد میں دوسرا خطاب ہوا جسے محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے پہلے خطاب کا تتمہ اور تکملہ قرار دیا۔ یہ دونوں خطابات بالترتیب میثاق کے اگست اور ستمبر ۹۵ء کے شماروں میں شائع ہوئے۔ اس بحث کے حوالے سے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے عقائد میں کون کون سے امور مشترک ہیں اور کہاں کہاں اختلاف ہے' محترم ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ اس بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں کے نظریات میں اختلاف نہایت شدید نوعیت کا ہے' جبکہ کم از کم حضرت مسیحؑ کی شخصیت کے بارے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے نظریات میں بہت قرب پایا جاتا ہے۔ اسی طرح محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطاب میں تعلیمات مسیح علیہ السلام اور تعلیمات محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں مطابقت و مماثلت کے بہت سے گوشوں کو بڑی عمدگی سے اجاگر کیا ہے۔ انہوں نے پاکستانی مسیحیوں کو "دیسی یہودیت" یعنی قادیانیت سے بھی خبردار کیا ہے جو یہاں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان نفرت و عداوت کی دیوار حائل کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے۔

یہ دونوں خطابات جب ماہنامہ میثاق میں شائع کئے گئے تو ان کی افادیت کو بجاطور پر محسوس کیا گیا۔ یہاں تک کہ گوجرانوالہ سے شائع ہونے والے عیسائیوں کے ایک معروف ماہانہ جریدے "کلام حق" نے اپنے ادارتی صفحات میں اس پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا :

> "ماہنامہ "میثاق" اگست ۹۵ء کے شمارے میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک مضمون "پاکستانی مسیحیوں کی خدمت میں چند گزارشات" شائع ہوا ہے۔ جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے جس طرح پاکستانی مسیحیوں کو یہودیت کی سازش سے آگاہ کیا ہے اور مسیحیت اور اسلام کی مشترکہ قدروں کی تفصیل بیان کی وہ قابل ستائش ہے۔ ایک عرصہ کے بعد کسی مسلمان عالم کی تعصب کی آلودگی سے پاک تحریر پڑھنے کو ملی۔۔۔" (ماہنامہ کلام حق' ستمبر ۹۵ء)

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتابچے میں پیش کئے گئے خیالات کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے تاکہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین حائل خلیج کو پاٹنے کا سامان کیا جاسکے اور مملکت خداداد پاکستان میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے ماحول کو ممکنہ حد تک سازگار بنایا جاسکے جس کی ذمہ داری بلاشبہ مسلمانان پاکستان پر ہی عائد ہوتی ہے۔

حافظ عاکف سعید

ناظم نشر و اشاعت' مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۱۵/ اکتوبر ۱۹۹۵ء

عیسائیت اور اسلام

زیرِ نظر بحث کا پس منظر

خطبہ مسنونہ اور آیات قرآنی کی تلاوت کے بعد :

آج مجھے پاکستانی مسیحیوں یا عیسائیوں کی خدمت میں کچھ گزارشات پیش کرنا ہیں۔ اس کی طرف میرا ذہن کیوں منتقل ہوا؟ اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔ ماضیٔ قریب میں ہمارے ملک میں توہینِ رسالتؐ کے ایک مقدمہ کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی' لیکن اس کا اصل ڈراپ سین جس دور میں ہوا اور اس کے حوالے سے ہنگامہ آرائی نے جن دنوں شدت اختیار کی ان دنوں میں ملک سے باہر تھا۔ اگرچہ کسی قدر خبریں توبین الاقوامی پریس میں بھی آئیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ نے ہمارے خلاف اسے اچھالا اور مسلم فنڈامنٹلزم کو اس کے حوالے سے گالیاں دیں۔ اس حد تک تو بات وہاں امریکہ کے قیام کے دوران بھی میرے علم میں آگئی تھی' لیکن اس کی تفاصیل اور اصل حقائق سے میں لاعلم رہا۔ لیکن پھر جب میں واپس آیا تو اس مقدمے سے متعلق کچھ اہم حقائق میرے سامنے آئے اور بعض باتیں میرے نوٹس میں لائی گئیں۔ اس سے میری تشویش میں تو اضافہ ہوا لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے ابتدا میں اس مسئلے کی طرف کماحقہٗ توجہ نہیں دی۔ البتہ پھر جب اس موضوع پر ہمارے ہاں کے ایک صحافی رائے حسنین طاہر کی کتاب "داغِ ندامت" کے نام سے شائع ہوئی اور میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا تو پھر مجھ پر حقائق صحیح طور پر واضح ہوئے اور یوں کہنا چاہئے کہ چودہ طبق روشن ہوگئے۔ سب سے بڑی بات جو میرے سامنے آئی وہ یہ ہے کہ یہ ایک دو مسخ شدہ ذہن اور مزاج کے لوگوں کا معاملہ تھا۔ اور کوئی نہایت غلیظ ذہن کے لوگ تھے جنہوں نے وہ حرکت کی اور توہین کا معاملہ کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر

معقول شخص خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو' میری اس بات کی تائید کرے گا کہ ایسی حرکت کوئی انتہائی گھٹیا اخلاق کا مالک' Insale اور ابنارمل انسان ہی کرتا ہے۔ کوئی معقول اور نارمل شخص ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ سرورِ کونین محمدؐ رسول اللہ ﷺ یا ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن کو غلیظ گالیاں دے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں کے عیسائیوں نے اسے اپنا مذہبی اور قومی معاملہ بنادیا۔ حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ وہ اس سے اعلان براءت کرتے اور اس معاملے کو مذہبی مسئلہ بنانے کی بجائے جو لوگ بھی اس سنگین معاملے میں ملوث ہوئے تھے ان کی مذمت کرتے۔ لیکن ہوا یہ کہ اس معاملے کو ملک کے اندر بھی ایک طوفان خیز انداز میں اٹھایا گیا' گویا کہ یہ دو مذہبوں کا ٹکراؤ ہے یا سیکولرازم اور اسلامک فنڈامنٹلزم کا ٹکراؤ ہے' اور اسی پر قناعت نہیں کی گئی بلکہ عالمی سطح پر عیسائی برادری اور عیسائی دنیا نے اسے اپنا ایک مسئلہ بنادیا۔

اس ضمن میں جو کچھ ہماری عدالتوں نے کیا' ظاہربات ہے کہ مجھے ان پر تنقید نہیں کرنی اور نہ ان کی نیت پر حرف زنی میرے پیش نظر ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ انہوں نے کیا قانون کے مطابق کیا' لیکن یہ کہ عالمی سطح پر جو دباؤ پڑ رہا تھا وہ اس سے غیر متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔ ظاہربات ہے کہ جج صاحبان بھی تو انسان ہی ہیں' وہ کوئی آسمان سے اترے ہوئے فرشتے نہیں ہیں۔ اس عالمی دباؤ کا یقیناً اثر ظاہر ہوا ہے۔ جس تیزی کے ساتھ اس مقدمے کو نمٹایا گیا اور اس قانونی کارروائی (Legal Process) کے بعض تقاضوں کو جس طرح نظرانداز کیا گیا' وہ اپنی جگہ محلِ نظر ہیں۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جو ریکارڈ میں آچکی ہیں اور اب تاریخ کا حصہ ہیں۔ ان کا فیصلہ (Judgement) یقیناً دیانتدارانہ ہوگا' اور میں بھی سمجھتا ہوں کہ جب تک کسی جرم کو ثابت نہ کیا جاسکے' سزا نہیں دی جاسکتی۔ یہ اصول تو ہمیں محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے کہ شک کا فائدہ ہمیشہ "ملزم" کو دیا جانا چاہئے۔ بلکہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی تعلیمات تو یہ ہیں کہ سو مجرم چھوٹ جائیں تو کوئی حرج نہیں' لیکن کسی بے گناہ کو سزا نہیں ہونی چاہئے! آج کی عدلیہ کے تمام اصول دراصل محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے ہیں۔ اقبال نے بالکل صحیح کہا تھا۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است!

دنیا میں جو بھی خیر اور خوبی ہے وہ در حقیقت نورِ محمدی ؐ سے مستعار ہے' حضور ؐ ہی کی دی ہوئی تعلیمات کا پر تو ہے۔ چنانچہ عدلیہ کے یہ تمام سنہرے اصول کہ جب تک آپ فریقِ ثانی کی بات نہ سن لیں' فیصلہ نہ کریں' نیز یہ کہ ثبوت کا بار مدعی پر ہے' مدعا علیہ کی طرف سے قسم بھی کافی ہو جائے گی لیکن مدعی قسم کے ذریعے سے اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر سکتا' یہ سب بھی حضور ؐ کے دیئے ہوئے ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مقدمے کی جو بھی صورت سامنے آئی وہ ایسی تھی کہ ملزموں کو شک کا فائدہ دینا غلط نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس والوں کی کوتاہی سے ریکارڈ کے اندر کوئی کمی رہ گئی ہو' یا اور کوئی رخنہ ایسا رہ گیا ہو جس کے باعث جرم پوری طرح ثابت نہ کیا جا سکا ہو۔ اس لئے کہ ظاہریات ہے کہ مقدمات جب چلتے ہیں تو کوئی رخنہ اگر شروع میں رہ گیا ہو تو بہت سے سچے مقدمے بھی ثابت نہیں ہو پاتے۔ بہرحال اس اعتبار سے میں عدلیہ کے اوپر کوئی تنقید نہیں کر رہا ہوں' لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ بڑی تیزی کے ساتھ یہ معاملات نمٹائے گئے۔ یہ یقیناً اس عالمی دباؤ کا معاملہ ہے۔

اس معاملے کی سنگینی میں مزید اضافہ ہوا جب اس کے بالکل برعکس ایک کیس سامنے آیا اور اسے بھی مذہبی بنیادوں پر ہوا دی گئی۔ ہوا یہ کہ ایک talented عیسائی بچہ اقبال مسیح ایک مسلمان کی نگاہ میں آیا اور وہ بچہ بانڈڈ لیبر کے خلاف احتجاجی تحریک کا لیڈر بن گیا۔ اتفاقاً وہ بچہ ایک جنسی جنونی کے ہاتھوں قتل ہو گیا جو کسی مسلمان زمیندار کا کوئی پہرے دار قسم کا آدمی تھا' لیکن نشئی تھا' چرسی بھنگی تھا اور وہ کوئی نہایت ہی معیوب اور اخلاق سے گری ہوئی حرکت کر رہا تھا کہ بعض بچوں نے' جن میں اقبال مسیح بھی شامل تھا' اسے وہ حرکت کرتے دیکھ لیا' چنانچہ ان بچوں نے شور مچایا' اس شقی انسان نے بندوق نکالی اور فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں اقبال مسیح ہلاک ہو گیا۔ اس واقعے کو بھی اس طرح اچھالا گیا کہ پوری دنیا کے اندر پاکستان کو بدنام کرنے کے لئے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا۔ اسے ایسا رنگ دیا گیا کہ گویا عیسائیت اور اسلام کے درمیان کوئی جنگ شروع ہو گئی ہے۔ دنیا کو تاثر یہ دیا گیا کہ

چونکہ وہ بانڈڑ ڈلیبر کے خلاف جدوجہد کی علامت بن گیا تھا اس لئے اسے قتل کیا گیا ہے۔ یہ ساری چیزیں درحقیقت کس چیز کی غمازی کر رہی ہیں؟۔ یہ کہ ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں! اس کے پیچھے یقیناً کوئی خفیہ ہاتھ ہے جو کہ ایک طرف مسلمانوں کے اندر شیعہ اور سُنّی کو باہم لڑانا چاہتا ہے تو دوسری طرف عالمِ اسلام میں مسیحیوں اور مسلمانوں کو لڑانا چاہتا ہے۔ یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے' یہ کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ جو اچانک ہو گیا ہو۔ عالمی ذرائع ابلاغ کے پاس ٹائم اتنا بے وقعت نہیں ہوتا کہ وہ اسے چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے صَرف کر سکیں' ان کا تو ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ آپ ذرا ان کا کچھ وقت خریدنے کی کوشش کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ کیا قیمت دینی پڑے گی۔ وہ ذرائع ابلاغ اگر ایسی چیزوں کے لئے استعمال ہوئے ہیں' تو یقیناً یہ کوئی بڑی اسکیم ہے۔

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں!

اس کے پیچھے یقیناً کوئی خفیہ ہاتھ کارفرما ہے۔

یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات و روابط کا

تاریخی پس منظر

اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے اس کی وضاحت کروں۔ اس سلسلے میں' میں آپ کے سامنے تاریخی پس منظر لانا چاہتا ہوں کہ یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں کے روابط کیا ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں کیا تبدیلیاں آئیں؟ یہ بہت اہم تاریخی موضوع ہے اور میری کتاب "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل" میں بھی یہ چیزیں کسی حد تک زیر بحث آئی ہیں۔ تاہم میری آج کی گفتگو چونکہ ایک نئے عنوان کے تحت ہو رہی ہے لہٰذا اس کے حوالے سے میں آپ کے سامنے کچھ نئی چیزیں بھی رکھ رہا ہوں اور اس کی ترتیب بھی نئی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے باہمی تعلقات کو مختلف ادوار کے حوالے سے سمجھنا چاہئے۔

۱۔ بعثتِ محمدیؐ سے ماقبل کا دور

اس ضمن میں پہلا دور ظہورِ اسلام یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کا دَور ہے۔ اس دور میں یہودیوں اور عیسائیوں کے مابین شدید دشمنی اور عداوت تھی۔ سیدھی سی بات ہے کہ جس ہستی کو عیسائی' تثلیث کے عقیدے کے تحت الوہیت کا جزو مانتے ہیں' جنہیں وہ خداوند یسوع مسیح کہتے ہیں' ان کو سولی پر چڑھانے والے یہودی علماء تھے۔ ان کے نزدیک حضرت مسیحؑ بھی (معاذ اللہ) مرتد اور واجب القتل تھے اور جو بھی ان پر ایمان لایا' وہ بھی مرتد اور واجب القتل تھا۔ چنانچہ ان کے مابین تعلقات دشمنی اور عداوت کے حامل رہے۔ لیکن چھ سو برس پر محیط اس دشمنی اور عداوت میں دو رنگ ملتے ہیں۔ یعنی پہلے تین سو برس یہودی عیسائیوں پر بدترین تشدد کرتے رہے جبکہ دوسرے تین سو برس میں عیسائیوں کے ہاتھوں یہودیوں کی پٹائی ہوتی رہی۔ پہلے تین سو برس کے دوران یہودیوں کو سلطنتِ روما کی سرپرستی حاصل رہی' چنانچہ انہوں نے بت پرست رومیوں کے ذریعے عیسائیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ یہ بدترین تشدد و تعذیب کا دور ہے جو عیسائیوں نے برداشت کیا ہے۔ اُس وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے پیروکار موجود تھے جن پر یہودیوں نے بت پرست رومیوں کے ذریعے سے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اسی سلسلے کا واقعہ اصحابِ کہف کا ہے جو حضرت مسیحؑ کے پیروکار تھے اور بت پرست رومی شہنشاہ نے انہیں الٹی میٹم دے دیا تھا کہ یا تو اپنے اس مذہب عیسائیت سے تائب ہو جاؤ' ورنہ میں تمہیں سولی پر چڑھا دوں گا یا رجم کر دوں گا۔ تب وہ بے چارے ایک غار میں جا کر پناہ گزیں ہو گئے۔ یہ اُس دور کا واقعہ ہے۔ اصحابِ کہف تین سو برس تک اس غار میں رہے۔ اس کے بعد جب صورتحال تبدیل ہوئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو بھی برآمد کر لیا۔ قرآن حکیم میں ان کی غار کے قیام کی مدت کے بارے میں الفاظ آئے ہیں:
"وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا" یعنی وہ اپنی غار میں تین سو برس تک رہے بلکہ نو برس مزید بھی..... شمسی حساب سے ان کی مدتِ قیام تین سو برس بنتی ہے اور قمری حساب سے تین سو نو برس' کیونکہ قمری حساب سے ہر صدی میں

تین برس کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

۳۰۰ء میں رومی سلطنت میں یہ عظیم تبدیلی آئی کہ رومی شہنشاہ قسطنطین نے عیسائیت قبول کرلی۔ چنانچہ اب عیسائیت نے ریاست کے سرکاری مذہب کی حیثیت اختیار کرلی اور اسے ایک گونہ فضیلت اور فوقیت حاصل ہو گئی۔ اس تبدیلی کے بعد اب عیسائیوں نے یہودیوں سے خوب گن گن کر بدلے لئے اور ان کی خوب مرمت کی۔ بہرحال ان چھ سو برسوں کے دوران یہود و نصاریٰ کے درمیان سخت چپقلش رہی' ان کے مابین دشمنی رہی اور جب جس کا داؤ چل گیا اس نے مخالف سے بدلہ لیا۔ ان دوسرے تین سو سالوں کے دوران' حضورؐ کی ولادت سے تقریباً چالیس برس قبل اور حضورؐ کی بعثت سے تقریباً پون صدی قبل' ایسی صورتحال پیدا ہو گئی کہ یمن میں جو بہت عرصے سے ایک عیسائی ملک چلا آ رہا تھا' یہودیوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ وہاں سے انہوں نے جنوبی عرب میں نجران پر حملہ کیا جو عیسائیوں کا گڑھ تھا۔ فتح نجران کے بعد یہودی بادشاہ ذو نواس نے عیسائیوں کو عیسائیت چھوڑنے پر مجبور کیا اور اس سے انکار پر اس نے سینکڑوں نہیں ہزاروں عیسائیوں کو آگ میں زندہ جلا دیا۔ قرآن حکیم میں یہ واقعہ سورۃ البروج میں مذکور ہے :

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ○ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ○ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُودٍ ○ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُودِ ○ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ ○ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ○ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ○

"قسم ہے مضبوط قلعوں والے آسمان کی' اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے (یعنی قیامت) اور دیکھنے والے کی اور دیکھی جانے والی چیز کی' کہ مارے گئے گڑھے کھودنے والے' (وہ گڑھے کہ جن میں) آگ تھی خوب بھڑکتے ہوئے ایندھن والی' جبکہ وہ اس (کے کنارے) پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور جو کچھ وہ ایمان لانے والوں کے ساتھ کر رہے تھے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے"۔

یہاں "مومنین" سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ حضورؐ کی بعثت سے پہلے حضرت عیسیٰؑ رسول تھے اور ان پر ایمان لانے والے' ان کے

پیروکار، مومن تھے۔ ان پر یہودیوں نے یہ ستم توڑا جس کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے۔ یہ واقعہ ۵۲۳ عیسوی کا ہے۔

میں نے آپ کو چھ سو برس کی داستان سنادی ہے کہ اس عرصے میں ان کے مابین کوئی دوستی نہیں تھی، بلکہ شدید ترین دشمنی تھی۔ پہلے تین سو برسوں میں یہودیوں کا داؤ چل گیا تو انہوں نے بت پرست رومیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی خوب پٹائی کروائی اور اگلے تین سو برس میں چونکہ سلطنتِ روما بحیثیتِ مجموعی عیسائی ہو گئی تو پھر انہوں نے یہودیوں کی مرمت کروائی۔ البتہ اس دوران اتفاقاً ایسا ہو گیا کہ یمن میں عارضی طور پر یہودیوں کی حکومت قائم ہو گئی تو انہوں نے پھر نجران کے عیسائیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔

۲۔ آنحضور ﷺ کا عہدِ مبارک

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت جو صورتحال تھی اس کا اندازہ سورۃ المائدہ کی آیت ۸۲ و مابعد سے ہوتا ہے :

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ اٰمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ اَشْرَكُوا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ اٰمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا اِنَّا نَصٰرٰى ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ○

"تم تمام انسانوں میں اہل ایمان کے شدید ترین دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے۔ اور ان سب میں قریب ترین پاؤ گے محبت میں اہل ایمان کے لئے ان کو جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں بڑے عالم اور درویش لوگ ہیں اور اس لئے کہ وہ تکبر نہیں کرتے"۔

حضور ﷺ کی بعثت کے وقت ایسے حق شناس راہب موجود تھے۔ چنانچہ بحیرہ وہ عیسائی راہب تھا جس نے کہ حضورؐ کو بچپن ہی میں پہچان لیا تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی راہنمائی کرنے والا بھی ایک عیسائی راہب ہی تھا، جس نے آپؓ سے کہا تھا کہ جاؤ، میرا علم بتاتا ہے کہ جنوب میں کھجوروں کی سرزمین میں آخری نبیؐ کی نبوت کے ظہور کا وقت آگیا ہے۔

چنانچہ حضرت سلمان فارسی شام سے ایک قافلے کے ہمراہ چلے' راستے میں قافلے پر ڈاکہ پڑ گیا اور ان کو گرفتار کر کے غلام بنا کر بیچ دیا گیا۔ آپؓ کا خریدار مدینے کا ایک یہودی تھا۔ اس طرح آپؓ مدینے پہنچ گئے' جبکہ حضورؐ ابھی مکے ہی میں تھے۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اُس وقت عیسائیوں میں کیسے کیسے لوگ موجود تھے۔

پھر اس ضمن میں یہ بھی نوٹ کیجئے کہ جب ایرانیوں اور رومیوں کی جنگوں کا سلسلہ چل رہا تھا تو ۶۱۴ء میں (یعنی حضورؐ کی بعثت کے چوتھے یا پانچویں برس) رومیوں کو ایرانیوں کے مقابلے میں بڑی زبردست شکست ہوئی۔ ہرقل کو ایسی شکست ہوئی کہ پورا شام اس کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ایرانیوں نے یروشلم کو تباہ و برباد کر دیا اور صلیب اکھاڑ کر ساتھ لے گئے۔ رومیوں کی اس شکست پر اُس وقت مسلمانوں کو افسوس ہوا تھا' کیونکہ مسلمانوں سے قریب ترین تو یہی تھے۔ دوسری طرف مشرکین مکہ نے بغلیں بجائیں کہ دیکھو ہمارے آتش پرست ایرانی بھائی فتح سے ہمکنار ہوئے ہیں اور تمہارے اہل کتاب بھائی' عیسٰیؑ کے پیروکار (جنہیں تم بھی رسول مانتے ہو) شکست سے دوچار ہوئے ہیں۔ دیکھو ہمارے بھائیوں نے تمہارے بھائیوں کی خوب پٹائی کی ہے۔ اس پر مسلمانوں کی دلجوئی کے لئے سورۃ الروم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں :

الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ○ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ○

"مغلوب ہو گئے ہیں رومی' قریب کی سرزمین میں' اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے' چند برسوں میں"۔

قرآن حکیم میں پیشین گوئی کر دی گئی کہ عنقریب پانسہ پلٹ جائے گا اور دس سال سے کم کی مدت کے اندر اندر رومی پھر غالب آ جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور عین غزوۂ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اسی وقت ہرقل نے ایرانیوں کو زبردست شکست دی۔ اس کے بعد قیصرِ روم ہرقل ننگے پاؤں' پاپیادہ چل کر بیت المقدس آیا تاکہ وہاں پر عبادت کرے اور صلیب جو واپس حاصل کر لی گئی تھی اس کو وہاں پر دوبارہ نصب کرے۔ یہ ساری صورتحال میں یہ واضح کرنے کے لئے بتا رہا ہوں کہ حضورؐ کی بعثت کے بعد اسلام

اور مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کا معاملہ کیا رہا اور یہودیوں کا کیا رہا۔ یہودیوں نے بد ترین دشمنی کا معاملہ کیا لیکن عیسائیوں نے ہمدردی و خیر خواہی کا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حبشہ کی سرزمین مسلمانوں کے لئے پناہ گاہ ثابت ہوئی تھی اور وہاں کے عیسائی بادشاہ نجاشیؒ ایمان بھی لے آئے تھے اگرچہ ان کی پوری قوم نے اسلام قبول نہیں کیا۔ نجاشیؒ صحابی نہیں ہیں بلکہ انہیں تابعی کہا جاتا ہے' اس لئے کہ حضورؐ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جب مدینہ میں ان کے انتقال کی خبر آئی تو حضورؐ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔ اسی طرح جب حضورؐ نے مختلف سربراہانِ مملکت کو خطوط بھیجے تو آپ کو معلوم ہے کہ قیصر روم ہرقل نے کوشش کی تھی کہ پوری سلطنت روما ایک ساتھ اسلام قبول کرلے۔ وہ حضورؐ کو پہچان گیا تھا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں' لیکن وہ چاہتا تھا کہ جس طرح تین سو سال قبل قسطنطین کے عیسائیت قبول کرلینے پر پوری مملکت عیسائی ہو گئی تھی اسی طرح اب پوری مملکت مسلمان ہو جائے۔ اس طرح میری حکومت باقی رہے گی' ورنہ اگر میں اکیلا ایمان لاؤں گا تو میری حکومت جاتی رہے گی' مجھے مار کے باہر نکال دیں گے۔ لہٰذا حکومت کی بیڑی اس کے پاؤں میں پڑی رہ گئی اور اس وجہ سے وہ محروم رہ گیا۔ ورنہ وہ حضورؐ کو پہچان چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں اس نے سامنے آنے کی جرأت نہیں کی' کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے مقابلہ کرکے میں کہاں بچ سکوں گا۔ حضورؐ تبوک میں کیمپ لگا کر قیام پذیر رہے اور آس پاس کے جتنے لوگ تھے ان سے معاہدات کرکے اپنی پوزیشن مستحکم کی۔ لیکن وہ مقابلے پر نہیں آیا۔ مقوقس شاہ مصر بھی عیسائی تھا۔ اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط پہنچا تو اس نے حضورؐ کی خدمت میں ہدایا بھیجے' اگرچہ وہ ایمان نہیں لایا۔ چنانچہ آنحضورؐ کے ساتھ نصاریٰ کا معاملہ' یہودیوں کے برعکس' دشمنی کا نہیں بلکہ کسی نہ کسی درجے میں تعاون کا رہا ہے۔ لہٰذا سورۃ المائدہ کی آیت ۸۳ میں ان کا بایں الفاظ ذکر ہے :

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○

"اور جب وہ اِس کلام کو سنتے ہیں جو رسول ﷺ پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں ابل پڑتی ہیں آنسوؤں سے' اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے' ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے!"

اس کے برعکس اسلام اور مسلمانوں کے شدید ترین دشمن یہودی اور مشرکین تھے' اگرچہ ان میں ایک فرق یہ تھا کہ مشرکین کی دشمنی صاف اور کھلی تھی' جبکہ یہود کی دشمنی سازشی انداز کی تھی۔ وہ سامنے آکر مقابلہ نہیں کرتے تھے۔ ان کے بارے میں قرآن حکیم میں (سورۃ الحشر: ۱۴) الفاظ وارد ہوئے ہیں: "لَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ اَوْ مِنْ وَّرَاءِ جُدُرٍ" یعنی "(اے مسلمانو) یہ یہودی ہرگز کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تمہارا مقابلہ نہ کرسکیں گے' لڑیں گے بھی تو قلعہ بند بستیوں میں بیٹھ کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر"۔ چنانچہ یہود کی دشمنی کا انداز سازشی رہا ہے۔ وہ اپنی سازشوں سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کرتے رہے۔ قرآن حکیم میں دو مقامات پر ان کی سازشوں کی طرف بایں الفاظ اشارہ کیا گیا ہے: "یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِہِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ O" (الصف: ۸) اور "یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِہِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ O" (التوبہ: ۳۲) یعنی "یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھادیں' جبکہ اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کرکے رہے گا' خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے"۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

۳۔ فتح بیت المقدس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب شام میں جہاد ہو رہا تھا تو مسلمانوں نے یروشلم کا محاصرہ کرلیا' لیکن شہر فتح نہیں ہو پا رہا تھا۔ شہر کی فصیل بہت اونچی اور بڑی مضبوط

تھی اور اندر ہر طرح کی ضروریاتِ زندگی موجود تھیں۔ اس کافی الحال کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا کہ راشن ختم ہو جائے تو لوگ مجبور ہو کر بھوک کے مارے دروازہ کھولیں۔ وہاں اُس وقت عیسائیوں کی حکومت تھی۔ جب محاصرے نے بہت طول کھینچا تو انہی عیسائیوں کی طرف سے یہ بات آئی کہ مسلمانو' اگر تم قیامت تک بھی ہمارا محاصرہ کیے رکھو تب بھی یروشلم کو فتح نہیں کر سکتے' ہاں ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض مخصوص اوصاف کے حامل ایک درویش بادشاہ کے ہاتھوں یروشلم کو فتح ہونا ہے' لیکن ہمیں ان اوصاف کا حامل شخص تم میں سے کوئی نظر نہیں آتا۔ مسلمان چونکہ کافی عرصے سے شام میں رہ رہے تھے اور خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے' چنانچہ مسلمان بھی اچھے کپڑے پہنتے تھے اور ان کے اندر دورِ نبویؐ کی درویشی کا رنگ نظر نہیں آ رہا تھا' حالانکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور ان کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے' جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اَمِینُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃ" قرار دیا تھا۔ ان کا ذہن منتقل ہوا کہ ہو نہ ہو یہ درویش بادشاہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اب حضرت عمرؓ کی خدمت میں محاذِ جنگ سے درخواست گئی کہ آپ تشریف لے آئیں تو یروشلم بغیر جنگ کے فتح ہو جائے گا۔ تب حضرت عمرؓ نے ایک غلام کے ہمراہ بیت المقدس کا وہ تاریخی سفر کیا جو تاریخ انسانی کے عظیم ترین واقعات میں سے ایک ہے۔ جب حضرت عمرؓ وہاں پہنچے تو عیسائی راہبوں نے اپنی کتابوں میں سے نشانیاں دیکھ کر کہا کہ ہاں یہی ہیں وہ درویش بادشاہ۔ اور یروشلم کے دروازے کھول دیئے۔ اس طرح بغیر کسی خونریزی کے بیت المقدس فتح ہو گیا۔

اس کے ضمن میں یہ اہم بات نوٹ کر لیجئے کہ ۷۰ء میں رومی جرنیل ٹائٹس نے یروشلم پر حملہ کیا تھا اور ہیکلِ سلیمانی کو مسمار کر دیا تھا جو کہ آج تک مسمار پڑا ہوا ہے۔ ہیکل سلیمانی کی حیثیت یہودیوں کے لئے کعبہ کی سی ہے جسے منہدم ہوئے ۱۹۲۵ برس پورے ہو گئے ہیں۔ ٹائٹس نے نہ صرف ہیکل سلیمانی مسمار کیا بلکہ یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ چنانچہ اُس وقت سے وہاں یہودیوں کا داخلہ ممنوع رہا۔ یہاں تک کہ ۶۵۰ء کے قریب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیت المقدس فتح ہوا تو آپؓ نے ان پر یہ کرم فرمایا کہ انہیں وہاں آنے کی اجازت دی۔ تاہم چونکہ عیسائیوں نے جنگ کیے بغیر پُرامن طور پر ہتھیار ڈال

دیئے تھے لہٰذا انہوں نے مصالحت کی شرائط میں یہ شرط رکھوائی کہ یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کا حق حاصل نہیں ہوگا' وہ یہاں کوئی پراپرٹی نہیں خرید سکیں گے' کوئی مکان نہیں بنا سکیں گے' بس زیارت کریں اور واپس چلے جائیں' اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔

یہود کی تاریخ میں یہ ان کا دورِ انتشار (Diaspora) کہلاتا ہے' اس لئے کہ جب انہیں فلسطین سے نکال دیا گیا تو یہ دنیا بھر میں منتشر ہو گئے' جس کے جہاں سینگ سمائے چلا گیا۔ چنانچہ کوئی روس کو چلے گئے' کوئی یورپ کو چلے گئے' کوئی افریقہ چلے گئے' کوئی ہندوستان چلے آئے' کوئی ایران اور ترکی میں آکر آباد ہو گئے۔ اس طرح یہ منتشر طور پر پوری دنیا میں بس گئے' لیکن اپنی ارضِ مقدس کی یاد انہوں نے اپنے سینوں میں رکھی۔ ان کا یہ دورِ انتشار ۱۹۱۷ء میں بایں معنیٰ ختم ہوا کہ اعلانِ بالفور کے نتیجے میں انہیں وہاں آباد ہونے کا حق دیا گیا ورنہ سلطنتِ عثمانیہ نے اپنے تمام تر زوال کے باوجود حضرت عمرؓ کے ساتھ ہونے والے عیسائیوں کے معاہدے کا پوری طرح احترام کیا۔ یہودیوں نے سلطان عبدالحمید ثانی کو بڑی سے بڑی رشوت پیش کرکے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ انہیں فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دے دی جائے' مگر انہیں اس کی اجازت نہیں مل سکی۔ لیکن پھر ''واسپ'' (White Anglo Saxon Protestants) نے ۱۹۱۷ء میں اعلانِ بالفور کے ذریعے ان پر عائد پابندی کو ختم کروایا۔ اُس وقت برطانیہ سپریم پاور تھی اور اس کی سلطنت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا' لہٰذا کون تھا جو اعلانِ بالفور کے آگے رکاوٹ بن سکتا۔ چنانچہ اس وقت سے انہیں یہاں آباد ہونے کی اجازت حاصل ہو گئی۔

بہرحال میں نے حضرت عمرؓ کا واقعہ آپ کو اس حوالے سے سنایا ہے کہ بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کرتے وقت یہ شرط عیسائیوں کی طرف سے رکھوائی گئی تھی کہ یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ ان کے آپس کے بیر کا معاملہ تھا۔ قرآن حکیم میں بھی ان کے آپس کے بیر کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۱۳ کے الفاظ ہیں: "قَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ" یعنی "یہود

کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں ہیں حالانکہ وہ سب (ایک ہی) کتاب پڑھتے ہیں"۔ یہود و نصاریٰ ایک ہی کتاب کے پڑھنے والے ہیں' تورات کو وہ بھی مانتے ہیں یہ بھی مانتے ہیں' اس کے باوجود یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کی کوئی حقیقت نہیں' یہ بے بنیاد ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودیوں کی کوئی حقیقت نہیں' ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔ تو ان کے درمیان جو دشمنی اور بیر چلا آ رہا تھا یہ اسی کا ایک مظہر ہے کہ عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کے وقت یہ شرط رکھوائی کہ یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

۴۔ فتح ہسپانیہ

یہود و نصاریٰ کے باہمی تعلقات کے چوتھے دور کا آغاز "فتح سپین" سے ہوتا ہے۔ اُس وقت یہود "خداوند یسوع مسیح کے قاتل" ہونے کے جرم میں پوری عیسائی دنیا میں مبغوض و مقہور تھے' یورپ میں یہ عیسائیوں کے ہاتھوں تختہ ستم بنے ہوئے تھے' لہٰذا انہوں نے عیسائیوں کے خلاف یہ چال چلی کہ جب حضرت طارق بن زیاد "فتح سپین کے لئے داخل ہوئے تو انہوں نے ان کی مدد کی' کیونکہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں انہیں مسلم سپین میں تحفظ اور وقار حاصل ہوا۔ ظاہر بات ہے کہ جس نے فتح میں مدد کی ہو وہ تو گویا ایک طرح کا محسن ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں ہندوستان میں جب شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا تو پھر ہمایوں ایران سے شیعہ فوج ہمراہ لے کر آیا تھا اور یہ قزلباش جو یہاں آباد ہیں یہ اُس وقت کے آئے ہوئے ہیں۔ یہی وہ وقت تھا کہ جب شیعیت ہندوستان میں آئی' ورنہ ہندوستان میں اس سے پہلے شیعیت کا وجود ہی نہ تھا۔ ہمایوں کی مدد کرنے پر انہیں بڑی بڑی جاگیریں اور بڑے بڑے عہدے ملے' نور جہاں شاہی محل کے اندر پہنچ گئی اور اس کا بھائی سپہ سالار اور گورنر بن گیا۔ چنانچہ شیعیت کو جس طرح یہاں فروغ حاصل ہوا' یوں سمجھئے کہ اسی طرح یہودیت کو اسپین میں فروغ حاصل ہوا' اس لئے کہ وہ مسلمان عربوں کے محسن تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بن گوریان جو غالباً ان کا وزیر اعظم یا صدر تھا' اس نے اپنی کتاب میں یہ الفاظ لکھے ہیں :

"Muslim Spain is the golden eara of our Diaspora."

یعنی مسلم سپین کا زمانہ ہمارے دورِ انتشار کا سنہری زمانہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں انہیں عزت اور حفاظت ملی۔ لیکن ان بدبختوں کی احسان فراموشی اور محسن کشی ملاحظہ ہو کہ وہیں پر بیٹھ کر انہوں نے عیسائیوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے خلاف بھی سازشیں کرنی شروع کر دیں۔

۵ ۔ ہسپانیہ میں قیام کے دوران یہود کی ریشہ دوانیاں

سپین میں قیام کے دوران انہوں نے ایک کام تو یہ کیا کہ عیسائیوں میں تفرقہ پیدا کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے سپین میں علم کی روشنی پھیلائی تو وہاں تمام یورپ سے لوگ تعلیم حاصل کرنے آنے لگے۔ باقی پورا برِاعظم تو اُس وقت جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں گھرا ہوا تھا۔ جس طرح آج آپ کے نوجوان تعلیم حاصل کرنے یورپ اور امریکہ جاتے ہیں اسی طرح اس وقت لوگ قرطبہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیوں میں آتے تھے۔ حصولِ علم کے لئے سپین آنے والے عیسائیوں کو وہاں پر مقیم یہودیوں نے آزاد خیالی اور حریتِ فکر کے نام پر بائبل سے برگشتہ کرنا شروع کر دیا اور ان خیالات کے ذریعہ سے عیسائیت میں تفرقہ پیدا کیا۔ چنانچہ عیسائی دو فرقوں --- کیتھولک اور پروٹسٹنٹ --- میں تقسیم ہو گئے۔ یہودی اس سے قبل حضرت عثمان ﷜ کے زمانے میں مسلمانوں میں بھی تفرقہ پیدا کر چکے تھے۔ عبداللہ ابن سبا یہودی نے ملتِ اسلامیہ میں شیعہ سنی کی تقسیم پیدا کر کے ایک مستقل فتنہ برپا کر دیا۔ ابتداء میں یہ دو گروہ شیعانِ علیؓ اور شیعانِ عثمانؓ کی شکل میں تھے لیکن اس کے بعد "شیعہ" کا لفظ شیعان علیؓ کے لئے مخصوص ہو گیا اور شیعان عثمانؓ "سُنّی" کہلانے لگے۔ بہرحال یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے جسے میں نے اِس وقت صرف ایک مثال کے طور پر سامنے رکھا ہے کہ یہود کے سازشی ذہن نے ملتِ اسلامیہ میں شیعہ سنی کی اور ملتِ عیسوی میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی تفریق پیدا کر دی۔ اس طرح گویا یہودیوں نے عیسائیوں سے ان کے تشدد اور تعذیب کا انتقام لیا۔

مسلم سپین میں تحفظ حاصل ہونے کے بعد یہودیوں نے جو دوسرا بڑا "کارنامہ"

سرانجام دیا، جس کے لئے میں نے ابھی محسن کُشی کے الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ یہ کہ انہوں نے عیسائیوں کی نفرت اور دشمنی کا رخ یہودیوں کی بجائے مسلمانوں کی طرف پھیر دیا۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ بعثتِ محمدیؐ کے تین سو برس بعد صلیبی جنگیں شروع ہو گئیں۔ اتنی بڑی تیاریوں کے ساتھ اتنی بڑی جنگیں کیسے شروع ہو گئیں کہ تمام دولِ یورپ مسلمانوں پر چڑھ دوڑنے کے لئے چلے آ رہے ہیں۔ شیر دل رچرڈ جزائر برطانیہ سے مسلمانوں کے خلاف "مقدس جنگ" کرنے چلا آ رہا ہے۔ آخر اس کے پیچھے کوئی شازشی ذہن تھا، تبھی یہ سب کچھ ہوا ہے، ایسے تو نہیں ہو گیا۔ اسی طرح کی ایک چالبازی ہمارے ساتھ انگریز بھی کر کے گیا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کو آزاد تو کر دو لیکن کشمیر کا جھگڑا پیدا کر کے جاؤ تاکہ یہ آپس میں لڑتے رہیں اور ہمارے دونوں دوست رہیں، دونوں دولتِ مشترکہ کے رکن رہیں، ورنہ ان کے دلوں میں ہمارے خلاف انتقامی جذبات پیدا ہو جائیں گے کیونکہ ہم نے ان پر دو سو برس تک حکومت کی ہے۔ تو بجائے اس کے کہ محکوم کے دل میں اپنے سابقہ حاکموں کے خلاف نفرت پیدا ہو، ان کی نفرت کا سارا لاوا آپس میں ہی ایک دوسرے کے خلاف پھٹنا چاہئے۔ ایسی ہی چالبازی یہودیوں نے کی کہ عیسائیوں کی نفرت کے رخ کو مسلمانوں کی طرف پھیر دیا اور اس کے نتیجے میں عظیم صلیبی جنگیں ہوئیں۔

۶۔ یورپ میں یہود کی مزید "کامیابیاں"

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ یورپ میں مزید تین سو برس کے بعد یہود کو کیا کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ جب انہوں نے عیسائیت میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی تفریق پیدا کر دی تو پوپ کی حیثیت کیتھولک عیسائیت کے سربراہ کی رہی، لیکن پروٹسٹنٹ فرقہ آزاد خیالی کا علمبردار اور "حقوقِ انسانی" کا دعویدار بن گیا۔ چنانچہ آزادئ فکر، حریتِ عمل اور مرد و زن کی مساوات سب سے بڑے انسانی حقوق قرار پائے اور ان کا عالمگیر تصور اس انداز سے پیش کیا گیا کہ ہر شخص کو سوچنے سمجھنے اور اپنی سوچ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ہے۔ ایک شخص سڑک پر ننگا ہو کر پھرنا چاہے تو آپ کون ہوتے ہیں اسے روکنے والے؟ آپ اسے نہیں دیکھنا چاہتے تو اپنی آنکھیں بند کر لیجئے۔ اگر دو مرد اپنی جنسی تسکین آپس میں کرنا

چاہتے ہیں تو یہ ان کا حق ہے' آپ کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے؟ باہمی رضامندی سے اگر ایک مرد اور ایک عورت زنا کر رہے ہیں تو یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کی بیوی کسی دوسرے مرد کے ساتھ حرام کاری میں ملوث ہو گئی ہے تو اسے اپنی بیوی کے خلاف اقدام کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ البتہ وہ عدالت سے رجوع کر سکتا ہے کہ میرے حقوق میں مداخلت ہو گئی ہے۔ یہ ایک دیوانی مقدمہ ہو گا' فوجداری مقدمہ نہیں ہو گا۔ اگر زانیہ اور زانی دونوں راضی ہیں تو پھر حکومت کو کوئی اعتراض نہیں۔ یہ ساری یہودی ذہن کی چالاکی ہے جس نے اس سارے معاشرے کو بدکردار بنا کر اسے اخلاقی اعتبار سے اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ نتیجتاً وہاں پر خاندان کا ادارہ موجود ہی نہیں رہا۔ ہوس پرستی اس انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ ماں' بیوی اور بیٹی میں کوئی فرق ہی نہیں رہا۔ یہ سب کچھ ایسے ہی تو نہیں ہو گیا۔ اس کے پیچھے یہود کا سازشی ذہن کارفرما ہے۔

یہودیوں نے دوسری کامیابی یہ حاصل کی کہ وہاں پر سود کی اجازت حاصل کر لی اور سود کے ہتھکنڈے سے پورے یورپ کی معیشت پر چھا گئے۔ اور یاد رہے کہ یورپ کی معیشت پر چھا جانے والوں میں ایک یہ گولڈ سمتھ کا خاندان ہے جس کی دامادی کی سعادت عمران خان کے حصے میں آئی ہے۔ یہ یہودی بینکرز کہ آج تمام یورپی حکومتیں جن کی مقروض ہیں' ان کا طریقہ واردات یہ تھا کہ سازش کر کے حکومتوں کو آپس میں لڑاتے' پھر حکومتوں کو ہتھیار خریدنے کے لئے سرمائے کی ضرورت پڑتی تو انہیں قرض دیتے۔ اب جو قرض کے جال میں بندھ گئے ان سے جو چاہو کروالو۔ یہی حال اس وقت امریکہ کا ہے کہ وہ یہودی بینکرز کے شکنجے کے اندر کسا ہوا ہے۔ چنانچہ اِس وقت دنیا کی سب سے بڑی مقروض حکومت امریکہ کی ہے۔ اور وہاں کے بینک ریاست کے تابع نہیں ہیں بلکہ آزاد اور خود مختار ہیں۔ جس طرح فرائڈ کے نزدیک ego کے اوپر super ego ہے اسی طرح امریکہ میں State کے اوپر Super State کی حیثیت درحقیقت یہودی بینکرز کو حاصل ہے۔ بہرحال یورپ میں یہودیوں کو بہت بڑی کامیابی یہ حاصل ہوئی کہ انہوں نے وہاں کی معیشت پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ گویا ؏

فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!

یہ بات علامہ اقبال نے اس صدی کے آغاز میں کہہ دی تھی جب کہ ہٹلر کو ابھی شاید اس کا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ اِس وقت "ہالوکاسٹ" (Holocaust) زیرِ بحث نہیں ہے۔ اس سے قطع نظر کہ وہ کتنا صحیح تھا کتنا غلط' میں یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ جبکہ جرمنوں کو ابھی اس کا احساس اور شعور بھی نہیں تھا' ہمارے حکیم الامت شاعر مشرق نے اس حقیقت کا ادراک کرلیا تھا۔ اس لئے کہ علامہ صحیح معنوں میں "شاعر" تھے اور شاعر وہ ہوتا ہے جس کا شعور بیدار رہو۔ اقبال کہتے ہیں۔

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

تو ان کی نگاہِ دوررس نے دلِ وجود کو چیر کر دیکھ لیا کہ ع

فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!

اور یہ صرف اقبال ہی دیکھ سکتا تھا' کسی اور کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اِس چھٹے دور میں انہوں نے آزاد خیال "واسپ" (White Anglo Saxon Protestants) کو اپنا آلۂ کار بنایا' جبکہ رومن کیتھولکس یعنی پاپائے روم کے ساتھ اپنی وفاداری برقرار رکھنے والے پرانے عیسائی ان کے ہتھکنڈوں میں نہیں آئے۔ "واسپ" (WASP) کی اِس وقت دنیا میں تین بڑی حکومتیں ہیں: امریکہ' برطانیہ اور فرانس۔ اور یہی تین آپ کو ہر جگہ اکٹھے ملیں گے۔ ہر بین الاقوامی معاملہ میں ہمیشہ ان کا موقف ایک ہوگا۔ البتہ حال ہی میں ایک معجزہ ہوا ہے کہ یہ تینوں ایک ساتھ نہیں رہے[1]۔ یہ چیز حالات و واقعات کی تبدیلی کی ایک علامت ہے۔

---

[1] یہاں اشارہ اس اہم واقعے کی طرف ہے کہ حال ہی میں اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل نے اسرائیل کی اس بنیاد پر مذمت کی ہے کہ اس نے عرب زمینوں پر قبضہ کیا ہے۔ یہودی دراصل ہیکلِ سلیمانی کے پورے علاقے کو گھیرے میں لے لینا چاہتے ہیں تاکہ وہ کسی بھی وقت اس میں کوئی تخریبی کارروائی کر سکیں۔ یہ بات غیر معمولی ہے کہ اسرائیل کی مذمت کی یہ قرارداد سیکیورٹی کونسل میں تنہا امریکہ کو ویٹو کرنا پڑی ہے' فرانس اور برطانیہ نے بھی اس کا ساتھ نہیں دیا۔

۷۔ ماضی قریب میں یہود کی آخری اور اہم ترین "فتح"

یہودیوں نے حال ہی میں عیسائیوں پر آخری اور اہم ترین فتح اس طور سے حاصل کرلی ہے کہ پوپ کو بھی رام کرلیا ہے اور اس سے ایک فرمان جاری کروالیا ہے کہ یہودی خداوند یسوع مسیح کو صلیب دینے کے مجرم نہیں ہیں۔ اس طرح پوپ نے اس معاملہ میں یہودیوں کی براءت کا اعلان کر دیا یعنی آج کے یہودی اس جرم میں شریک نہیں ہیں' یہ جرم حضرت مسیحؑ کے دور کے یہودیوں کا ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرتے ہوئے اس اصول کو نظر انداز کر دیا گیا کہ جو قوم اپنے اسلاف کے کسی عمل یا اقدام سے اعلانِ براءت نہ کرے' اسے disown نہ کرے وہ اس جرم کے اندر شریک مانی جائے گی۔ تو یہودیوں نے تو آج تک اسے disown نہیں کیا۔ لہٰذا چاہے وہ ان کے اسلاف تھے جنہوں نے دو ہزار سال پہلے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا' لیکن یہ تو سوچئے کہ جو قوم اپنے اسلاف کے اس جرم سے اعلانِ براءت نہیں کر رہی اس کی آپ نے کیسے براءت کر دی؟

اور صرف یہی نہیں کیا۔ میں آپ کو ایک واقعہ بتاتا ہوں جس سے اندازہ ہو گا کہ عیسائیوں نے یہودیوں کو اس الزام سے بچانے کے لئے کس طرح تاریخ کو بھی مسخ کیا ہے۔ مجھے اپنے زمانہ طالب علمی سے اناجیلِ اربعہ سے بڑی دلچسپی رہی ہے' خاص طور پر متی کی انجیل میں نے بہت شوق سے بار بار پڑھی ہے اور ایک زمانے میں میرے دروس میں اس کے حوالے بہت آیا کرتے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں جبکہ میں کراچی میں تھا حضرت مسیحؑ کی زندگی پر مبنی ایک پکچر "KING OF KINGS" کے نام سے آئی۔ میں اگرچہ بارہ برس سے سینما دیکھنا چھوڑ چکا تھا اور جب سے اسلامی جمعیت طلبہ اور تحریک اسلامی کے ساتھ وابستگی ہوئی تھی میں نے یہ ساری چیزیں یکسر چھوڑ دی تھیں' لیکن چونکہ مجھے حضرت مسیح علیہ السلام اور اناجیل سے خصوصی دلچسپی تھی لہٰذا میں ضبط نہ کر سکا اور جا کر یہ فلم دیکھی۔ اس کے قریباً بیس سال بعد جب میں امریکہ گیا اور وہاں معلوم ہوا کہ یہاں پر تمام پرانی فلموں کے ویڈیو کیسٹ مل جاتے ہیں تو میں نے اس فلم کی خواہش ظاہر کی۔ اور جب اس کی ویڈیو منگوا کر دیکھی تو پتہ چلا کہ پوری کی پوری فلم ہی بدل دی گئی ہے۔ گویا تاریخ کو

مسخ کردیا گیا۔ پورے کے پورے سین حذف کر دیئے گئے۔ مثلاً جہاں یہودی علماء نے اپنی عدالت کے اندر حضرت مسیحؑ پر کفر کا فتویٰ لگایا اور ان کے سب سے بڑے عالم نے اپنے کپڑے پھاڑے' اپنے بال نوچ لئے اور کہا کہ اس نے کفر بکا ہے' اس کو فوراً لے جاؤ اور سولی پر چڑھا دو اس طرح کے سین ہی حذف کر دیئے گئے۔ اسی طرح اُس وقت کے رومن گورنر نے یہودیوں سے کہا تھا کہ اِس وقت میرے پاس دو مجرم قیدی ہیں' ایک براباؔ کو اور دوسرا یسوع --- براباؔ کو ہمارا مجرم ہے' اس نے سلطنت کے خلاف اقدام کیا ہے اور یسوع تمہارا مجرم ہے' اُسے تمہاری مذہبی عدالت نے سزا دی ہے ...... ہماری عید کا دن آ گیا ہے اور اپنی رسم اور روایت کے مطابق مجھے ایک مجرم قیدی کو چھوڑ نا ہے۔ بتاؤ کس کو چھوڑ دوں؟ تو یہودی علماء نے کہا: برابا کو چھوڑ دو' اور ہمارے اس مجرم کو سولی پر چڑھاؤ۔ تب رومی گورنر نے پانی منگایا' ہاتھ دھوئے اور کہا: "I wash my hands off the blood of Jesus" کہ میں اپنے ہاتھ دھو رہا ہوں' یسوع کا خون میرے سر پر نہیں' تمہارے سر پر آئے گا۔

اور اس مسئلے کا جو ڈراپ سین ہوا ہے وہ بھی ملاحظہ کر لیں۔ ابھی حال ہی میں فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کے مابین صلح کی جو گفتگو شروع ہوئی تھی اس ضمن میں واشنگٹن سے واپس آتے ہوئے اضحٰق رابین روم میں رکے اور پاپائے روم کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی' جس میں انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد کا ایک جگ پوپ کو تحفے کے طور پر پیش کیا کہ تین ہزار برس تک ہم نے اس کی حفاظت کی ہے' اب اس کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے۔ دوسری طرف اب ویٹی کان نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا ہے اور اب یروشلم میں اس کا سفارت خانہ قائم ہونے والا ہے اور پاپائے روم بہت جلد یروشلم کا دورہ کرنے والے ہیں۔ یہ اب تک کی آخری فتح ہے کہ جو یہودیوں نے عیسائیت پر حاصل کی ہے۔ نتیجتاً اب صورت یہ بن گئی ہے کہ یہود و نصاریٰ کا گٹھ جوڑ مکمل ہو گیا ہے۔

اس کی پیشگی خبر بھی سورۃ المائدہ ہی میں دے دی گئی تھی: "یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَھُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ ۘ بَعۡضُھُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ" یعنی "اے اہل ایمان' یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ! یہ آپس میں ایک دوسرے کے

دوست ہیں"۔ میں قبل ازیں ایک خطابِ جمعہ میں بیان کر چکا ہوں کہ اس آیۂ مبارکہ میں اُس وقت کے حالات کی تصویر کشی نہیں ہے' بلکہ اس کی حیثیت دراصل آج کے دور کے لئے پیشین گوئی کی ہے۔ اُس وقت تو یہ آپس میں دوست نہیں تھے۔ اس آیت میں قرآن حکیم یہ کہہ رہا ہے کہ بالآخر ان کا گٹھ جوڑ ہو جائے گا۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کو ایک اور انداز میں بھی پیش کیا ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا :

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا ثُقِفُوٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ (آیت ۱۱۲)

"لازم کر دی گئی ان پر ذلت جہاں بھی یہ پائے جائیں' سوائے اس کے کہ اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل جائے' یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں اور ان پر محتاجی اور مغلوبی مسلط کر دی گئی ہے۔ یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ یہ اللہ کی آیات کا کفر کرتے رہے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا انجام ہے"۔

یعنی ان یہودیوں کے اوپر ذلت اور مسکنت مستقل طور پر تھوپ دی گئی ہے' الا یہ کہ کبھی اللہ تعالیٰ کے کسی وعدے کے نتیجے میں انہیں کوئی سہولت حاصل ہو جائے یا لوگوں کی حفاظت میں یہ زمین پر اپنے قدم جما سکیں ورنہ انہیں زمین پر کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ اور یہ "حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ" کا ایک مظہر ہے کہ آج یہ یہودی جو پوری دنیا میں تعداد کے لحاظ سے صرف تیرہ چودہ ملین' یعنی ڈیڑھ کروڑ سے بھی کم ہیں' اپنے بینکنگ کے نظام کے ذریعے سے پوری دنیا پر چھا گئے ہیں اور یہاں تک کہ امریکہ جیسی سپریم پاور کی رگِ جان ان کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے نتیجے میں اِس وقت صورت حال یہ ہے کہ آج یہودی عیسائیوں کی سرپرستی میں اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں اور اسلام کو ختم اور

مسلمانوں کو اپنا باجگزار بنانا چاہتے ہیں۔ اسی کو آج "نیو ورلڈ آرڈر" کا نام دیا جا رہا ہے جو در حقیقت "جیو ورلڈ آرڈر" ہے۔ یہ سب کچھ بظاہر عیسائیوں کی سرپرستی میں ہو رہا ہے' لیکن بباطن در حقیقت عیسائی یہودیوں کے آلۂ کار بن گئے ہیں۔

میرے نزدیک یہ ہے وہ اصل بات جو آج عیسائیوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ تمہارے ازلی دشمن یہودی آج تمہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ تم کس کے آلۂ کار بن گئے ہو اور کر کیا رہے ہو؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا' یہ ساری عالمی سازش یہودیوں کی ہے اور وہ در حقیقت عیسائیوں کو اپنا آلۂ کار بنا کر انہیں استعمال کر رہے ہیں۔ اس موجودہ صورتحال کی طرف حضرت یوحنا کے مکاشفات میں واضح طور پر اشارہ ملتا ہے۔ انجیل کے آخری باب "REVELATION" میں یوحنا عارف کے مکاشفات کے ذیل میں ایک مکاشفہ درج کیا گیا ہے کہ

> "..... وہاں میں نے قرمزی رنگ کے حیوان پر جو کفر کے ناموں سے لپا ہوا تھا اور جس کے سات سر اور دس سینگ تھے ایک عورت کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ یہ عورت ارغوانی اور قرمزی لباس پہنے ہوئے اور سونے اور جواہر اور موتیوں سے آراستہ تھی اور ایک سونے کا پیالہ مکروہات یعنی اس کی حرام کاری کی ناپاکیوں سے بھرا ہوا اس کے ہاتھ میں تھا... اور میں نے اس عورت کو مقدس کا خون اور یسوع کے شہیدوں کا خون پینے سے متوالا دیکھا....."

اس مکاشفہ میں آگے چل کر اس حیوان اور اس کے دس سینگوں کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے :

> "..... اور وہ دس سینگ جو تو نے دیکھے دس بادشاہ ہیں۔ ابھی تک انہوں نے بادشاہی نہیں پائی مگر اس حیوان کے ساتھ گھڑی بھر کے واسطے بادشاہوں کا سا اختیار پائیں گے۔ ان سب کی ایک ہی رائے ہو گی اور وہ اپنی قدرت اور اختیار اس حیوان کو دے دیں گے....."

اس حیوان کی تمثیل آج کی ان مغربی قوتوں پر صادق آتی ہے جو اپنی زبردست جنگی صلاحیتوں کے ساتھ ایک خونخوار طاقت بن چکی ہیں ---اور اس حیوان کے اوپر سوار آبرو باختہ عورت در حقیقت یہودیت ہے۔

۸ ۔ عالمِ اسلام پر یہود کی ہولناک یورش کا آغاز

اِس وقت یہودی' عیسائی اور مسلمان معاملے کا آٹھواں دور شروع ہو چکا ہے' جس میں اب یہودی عیسائی دنیا کو آلۂ کار بنا کر عالمِ اسلام پر چڑھائی کر چکے ہیں۔ اور عالمِ عرب کو تو وہ فتح کر چکے ہیں۔ اب اس "جیو ورلڈ آرڈر" کے مقابلے میں ایران' افغانستان اور پاکستان پر مشتمل بلاک کو "آخری چٹان" کی حیثیت حاصل ہے۔۔۔ اور وہ ان تینوں ممالک کو الگ الگ تنہا (isolate) کر کے مارنا چاہتے ہیں۔ اِس وقت ان کی نظریں ایران پر لگی ہوئی ہیں کہ اسے الگ تھلگ کر کے اس کا بھرکس نکال دیا جائے جیسا کہ وہ عراق کا بھرکس نکال چکے ہیں۔ پھر اگلی باری ہماری ہے۔ جنرل اسلم بیگ صاحب جب ہمارے چیف آف آرمی سٹاف تھے اس وقت سے تسلسل سے کہتے چلے آ رہے ہیں کہ ان کا الگ ہدف پاکستان ہے۔ ابھی وقتی طور پر وہ اس بات پر مطمئن ہو گئے ہیں کہ ہم نے اپنا ایٹمی پروگرام کیپ کر دیا ہے' لیکن وہ اس اندیشے میں مبتلا ہیں کہ ہم کسی وقت بھی اس کی ٹوپی اتار سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کو اُس وقت تک اطمینان حاصل نہ ہو گا جب تک وہ ہماری ایٹمی صلاحیت کو تباہ و برباد کر کے نہ رکھ دیں۔ لیکن ابھی ان کی ڈپلومیسی یہ ہے کہ پہلے ایران سے نمٹ لیں' اس لئے کہ وہ خلیج کے دہانے پر بیٹھا ہوا ہے' جو اسی کے نام پر خلیج فارس (Persian Gulf) کہلاتی ہے۔ وہاں پر تیل کے وسیع و عریض ذخائر موجود ہیں' لہٰذا وہ پہلے اس سے نمٹنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے بارے میں تو وہ جانتے ہیں کہ یہ تو ویسے بھی اپنی جیب میں ہے' لہٰذا اس سے جب چاہیں بعد میں بھی نمٹ سکتے ہیں اور رہی سہی کسر بھی پوری کر سکتے ہیں۔

عیسائیت کے عقائد کا یہودیت اور اسلام سے موازنہ

عیسائیوں کے لئے لمحۂ فکریہ

اب میں آپ کے سامنے اپنی وہ بات رکھنا چاہتا ہوں جو میں خاص طور پر عیسائیوں سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ انہیں سوچنا چاہئے کہ عقیدے کے لحاظ سے یہودی ان سے قریب تر ہیں یا ہم؟؟۔۔۔ میں ان شاء اللہ کبھی اس موضوع پر بھی گفتگو کروں گا کہ انجیل اور

تعلیماتِ نبوی ؐ میں کیا مماثلت ہے۔ انجیل اور احادیثِ نبوی ؐ کے مطالعے سے میرے سامنے یہ بات آئی ہے کہ ان دونوں میں گہری مماثلت ہے۔ پچھلے دنوں انگلستان سے ایک انگریز جوڑا آیا ہوا تھا' میاں بیوی دونوں پی ایچ ڈی کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے انٹرویو لیا تو میں نے اس ضمن میں کچھ خیالات ان کے سامنے ظاہر کیے۔ اس پر وہ ایک دم چونک گئے اور پوچھا کہ آپ نے کبھی اس موضوع پر لکھا بھی ہے؟ میں نے کہا کہ لکھا نہیں ہے' لیکن اللہ موقع دے تو شاید لکھ دوں۔ لیکن فی الحال میرا خیال ہے کہ میں لاہور میں اپنے اگلے خطابِ جمعہ میں' ان شاء اللہ' اس موضوع پر گفتگو کروں گا کہ انجیل اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات میں کیا مماثلت ہے۔ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ قرآن اور انجیل میں مماثلت نہیں ہے جبکہ قرآن اور تورات میں مماثلت ہے اور انجیل اور احادیثِ نبوی ؐ میں بھی مماثلت ہے۔ بہرحال وہ ایک علیحدہ بحث ہے۔ اِس وقت میں اسلام اور عیسائیت کے عقائد میں مماثلت کے حوالے سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

i) ولادتِ مسیحؑ

سب سے پہلے ولادتِ مسیح کا مسئلہ لیجئے۔ عیسائی مانتے ہیں کہ مسیح کی ولادت کنواری مریم سے بن باپ کے ہوئی۔ یہی ہم بھی مانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی ولادت بغیر باپ کے' اللہ تعالیٰ کے خصوصی کلمۂ کُن سے ہوئی۔ سورۃ النساء (آیت ۱۷۱) میں الفاظ آئے ہیں: "اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ' اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ" یعنی "بیشک مسیحؑ عیسیٰ ابن مریم' اللہ کا ایک رسول ہی تو تھا اور اس کا ایک فرمان تھا جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے"۔ تو ہمارا عقیدہ ان سے قریب تر ہے یا یہودیوں کا؟ یہودی تو سیدہ مریم (سلامٌ علیہا) پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کو (معاذ اللہ) ولد الزنا اور حرامی (Bastard) قرار دیتے ہیں۔ تو ذرا سوچو تو سہی کہ کن کے جال میں پھنس رہے ہو؟ ان کی جرأتوں کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے امریکہ میں "SON OF MAN" کے نام سے ایک پکچر بنائی جس میں واشگاف الفاظ میں کہا گیا کہ

"Jesus is not son of God; he was son of man. He was not born without any father; he had a father."

یہ پوری پکچر گویا "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" کی عملی مصداق ہے۔ انہوں نے عیسائیت' خاص طور پر پروٹسٹنٹ عیسائیت کو جس طور سے فتح کیا ہے اس کا اس سے بڑا مظہر اور کیا ہوگا کہ اس کے گھر میں بیٹھ کر یہ باتیں کہہ رہے ہیں اور ان کے خداوند یسوع مسیح کو گالی دے رہے ہیں کہ وہ حرامی تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ---تو بھائی ذرا سوچو تو سہی کہ عقائد کے اعتبار سے تم کس کے قریب تر ہو؟

ii) شخصیتِ مسیحؑ

پھر جناب مسیحؑ کی شخصیت کو لیجئے۔ یہود کے نزدیک وہ مرتد' کافر' جادوگر اور واجب القتل۔ اس موقف میں انہوں نے آج تک کوئی ترمیم نہیں کی۔ اگر آج کے یہودی اس سے اعلانِ براءت کر لیتے تو بات اور تھی۔ اس صورت میں کہا جا سکتا تھا کہ اب ان کی ان نسلوں کو تو بہرحال ان کے اسلاف کے جرائم کی سزا نہیں دی جانی چاہئے۔ لیکن ان کا موقف بھی بعینہٖ یہی ہے کہ یسوع جادوگر تھا لہٰذا کافر تھا' اور چونکہ کافر تھا لہٰذا مرتد تھا اور مرتد واجب القتل ہے۔ یہ علماءِ یہود کا فتویٰ ہے۔ اس کے برعکس ہمارے نزدیک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ قرآن مجید نے خود حضرت مسیحؑ کی زبانی آنجنابؑ کی کیا خوبصورت مدح بیان کی ہے:

"وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا○ ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ"

"اور سلام ہے مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جاؤں---یہ ہے عیسیٰؑ ابن مریم"۔

حضرت مسیحؑ نے جبکہ وہ ابھی گود ہی میں تھے' لوگوں سے یہ گفتگو کی تھی۔ یہ ہمارا بھی عقیدہ ہے اور حضرت مسیحؑ کے پیروکاروں کا بھی۔ حضرت مسیحؑ کے عظیم ترین معجزات کو ہم بھی مانتے ہیں' وہ بھی مانتے ہیں۔ اس کے برعکس یہودی آپؑ کے معجزات کو جادوگری قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا مسیحیوں کو سوچنا چاہئے' غور کرنا چاہئے۔ انہوں نے کیوں آنکھیں بند کر لی

ہیں' کیوں کان بند کر لئے ہیں؟ یہ کن کے آلۂ کار بن گئے ہیں؟ انہیں دوست اور دشمن کو پہچاننا چاہئے۔

(iii) رفعِ مسیحؑ

پھر رفعِ مسیح کا معاملہ لیجئے۔ یہودی تو کہتے ہیں کہ مسیح مر گیا تھا' اسے ہم نے سولی پر چڑھا دیا تھا۔ قرآن حکیم میں ان کے الفاظ نقل ہوئے ہیں : "اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ" "کہ ہم نے مسیح' عیسیٰ ابن مریم' رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے"۔ جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ قتل نہیں کئے گئے' زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے' صرف اس فرق کے ساتھ کہ ان کے نزدیک مسیحؑ صلیب دیئے گئے' پھر زندہ ہو کر آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ ہمارے نزدیک صلیب دیئے جانے کا سوال ہی نہیں' کیونکہ اللہ کا رسول کبھی صلیب نہیں دیا جا سکتا۔ نبی تو قتل کیا جا سکتا ہے لیکن رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا اصول یہ ہے : "كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِي" یعنی "اللہ نے یہ بات مقرر فرما دی ہے کہ میں اور میرے رسول لازماً غالب رہیں گے"۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں یہود کے قتلِ مسیحؑ کے دعوے کو نقل کرنے کے فوراً بعد دو ٹوک الفاظ میں فرما دیا گیا : "وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ" یعنی "حالانکہ انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا"۔ ان کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا گیا۔ اور اس غلط فہمی کی وضاحت انجیل برناباس میں ہے کہ حقیقت میں وہی یہودا اسکریوتی جو آنجنابؑ کے حواریین میں شامل تھا اور جس نے سونے کی تیس اشرفیوں کے بدلے مخبری کر کے آپؑ کو گرفتار کروایا تھا اس کی شکل حضرت مسیحؑ کی سی بنا دی گئی اور اسے آپؑ کی جگہ سولی پر چڑھا دیا گیا۔ "وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ" کا مفہوم یہی ہے کہ وہ اپنے خیال میں مسیح کو مصلوب کر رہے تھے لیکن در حقیقت اس بدبخت کو سولی پر چڑھا رہے تھے جس نے کہ غداری کی تھی اور تیس اشرفیوں کے عوض اپنے خداوند یسوع مسیحؑ کو فروخت کر دیا تھا۔ اسے یہودی عدالت سے اس غداری کے انعام میں تیس اشرفیاں ملی تھیں۔ انجیل برناباس میں مزید تصریح ملتی ہے کہ آسمان سے چار فرشتے

اترے' جو چھت پھاڑ کر اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں حضرت مسیحؑ عبادت کر رہے تھے اور انہیں اٹھا کر لے گئے۔ یہ تفصیلات کسی حدیث میں ہیں نہ کسی تفسیر میں' جو برناباس کی انجیل میں مذکور ہیں۔ اسے عیسائی بھی انجیل تو مانتے ہیں لیکن ان کے نزدیک یہ "CANONICAL" یعنی مستند اور قابل اعتبار نہیں ہے۔ ۱۰۴ انجیلوں میں سے ان کے نزدیک صرف چار مستند اور قابل اعتماد ہیں۔ بہرحال ہماری رائے بھی یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور ان کی رائے بھی یہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک وہ سولی دیئے ہی نہیں گئے' بلکہ ان کی جگہ پر کسی اور کو سولی چڑھایا گیا جبکہ انکے نزدیک وہ سولی دیئے گئے' پھر ان کا "resurrection" ہوا۔ یعنی پھر زندہ ہو گئے اور اس کے بعد آسمان پر اٹھائے گئے۔ لیکن یہودی تو سمجھتے ہیں کہ ہم نے انہیں قتل کر دیا' ختم کر دیا۔

iv) نزولِ مسیحؑ

اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ آمد (Second Coming of Jesus) کا معاملہ لیجئے۔ اس کے ہم بھی قائل ہیں اور وہ بھی قائل ہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ وہی عیسیٰؑ ابن مریم قیامت کے قریب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور وہ بھی یہی مانتے ہیں۔ چنانچہ یہ چار عقیدے ہمارے اور ان کے مابین مشترک ہیں' جبکہ ان چاروں میں یہودی ان سے مختلف ہی نہیں' ان کے متضاد عقائد رکھتے ہیں۔ لہٰذا میں پھر یہ کہہ رہا ہوں کہ عیسائیوں کو دوست دشمن کی پہچان ہونی چاہئے۔

v) مسیح دجال کی آمد

ایک بات مزید نوٹ کر لیجئے۔ ہمارے نزدیک بھی نزول مسیحؑ سے قبل ایک مسیح الدجال آنے والا ہے' ان کے نزدیک بھی Anti-Christ آنے والا ہے۔ اور یہودیوں کی عیاری ملاحظہ ہو کہ انہوں نے عیسائیوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ وہ "انٹی کرائسٹ" مسلمانوں میں سے ہو گا۔ حالانکہ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے' اس لئے کہ

مسلمان تو مسیحؑ پر ایمان رکھتے ہیں۔ انٹی کرائسٹ (مسیح الدجال) درحقیقت ایک یہودی ہو گا اور میں تاریخ سے یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ وہی ہو گا' اس لئے کہ یہودی ایک "مسیح" کے منتظر تھے' لیکن حضرت مسیحؑ آئے تو ان کو مانا نہیں' لہٰذا ان کے نزدیک مسیح کی جگہ ابھی خالی ہے اور یہ اپنے اس مسیح کے منتظر ہیں۔ چنانچہ انہی میں سے کوئی یہودی کھڑا ہو کر مسیح ہونے کا دعویٰ کر دے گا۔ جیسا کہ سولہویں صدی عیسوی میں یہودیوں کو ایک شخص کے بارے میں یقینِ کامل ہو گیا تھا کہ یہی مسیح ہے اور یہ اب اعلان کرنے والا ہے۔ لیکن سلطنتِ عثمانیہ نے اسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا' جہاں وہ مسلمان ہو گیا اور یہ ہاتھ ملتے رہ گئے۔ اس ضمن میں "History of God" بڑی اہم کتاب ہے جو اس دور میں چھپی ہے۔ اس کی مصنفہ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد یہودیوں کی پوری تاریخ میں اس شخص سے زیادہ محبوب اور ہردلعزیز شخصیت نہیں گزری ہے۔ پھر حال ہی میں ایک اور شخص کا امریکہ میں انتقال ہوا ہے جس کے بارے میں انہیں امید تھی کہ یہ مسیح ہے اور اعلان کرنے والا ہے' لیکن وہ مر گیا۔ بہرحال حضرت مسیحؑ کی دوبارہ آمد سے قبل ایک جھوٹا مسیح' فریبی مسیح' مسیح الدجال (Anti-Christ) لازماً آئے گا اور وہ یقیناً یہود میں سے ہو گا۔ اس کی آمد وہ پانچواں نقطہ ہے جو ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان مشترک ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ عیسائی دنیا کو یہودیوں نے یہ بات باور کرا دی ہے کہ وہ مسلمان ہو گا۔

پاکستانی عیسائی "دیسی یہودیت" سے بھی خبردار رہیں!

اب میں ایک خاص بات اضافی طور پر پاکستانی عیسائیوں سے کہنا چاہتا ہوں۔ عالمی سطح پر جو یہودی سازش چل رہی ہے وہ تو اب الم نشرح ہو چکی ہے' اس پر کتابیں بھی آ چکی ہیں' جنہیں دلچسپی ہو وہ "Pawns in the Game" جیسی کتابوں کا مطالعہ کر لیں۔ اب تو ان کا "Order of Illuminati" بھی پورے کا پورا طشت از بام ہو چکا ہے۔ اور اب یہودیوں کو ان چیزوں کے افشاء سے کوئی اندیشہ بھی نہیں ہے' اس لئے کہ وہ اپنے سارے مقاصد حاصل کر چکے ہیں۔ صیہونیت نے عالم عیسائیت کو اپنے پھندے میں گرفتار کر

کے اسے اپنا آلۂ کار بنالیا ہے اور اب اسے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ خاص طور پر پاکستان میں ایک اور معاملہ بھی ہے۔ عالمی صیہونیت (World Zionism) کے علاوہ ایک پاکستان کی دیسی یہودیت (Indigenous Zionism) بھی ہے جس سے میں پاکستانی مسیحیوں کو خبردار کرنا چاہتا ہوں۔ میری مراد قادیانیت سے ہے اور جہاں تک میری معلومات ہیں یہ قادیانی پاکستانی مسیحیوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ خود تو سامنے آ نہیں سکتے' کیونکہ ملکی قانون ان کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اگرچہ در پردہ ان کی تبلیغی سرگرمیاں بھی جاری ہیں' کنونشن بھی منعقد ہوتے ہیں' سٹیلائٹ کے ذریعے سے خطبات بھی آ رہے ہیں' لیکن اس سب کے باوجود قادیانی برملا طور پر کھلم کھلا سامنے نہیں آسکتے' لہٰذا اپنے مقاصد کے حصول کے لئے انہیں کسی کور (Cover) کی ضرورت ہے' اور اپنی یہ ضرورت پوری کرنے کے لئے انہوں نے یہاں کے عیسائیوں کو ورغلایا ہے۔ لہٰذا مجھے پاکستانی مسیحیوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ جہاں وہ عالمی یہودی سازش کا آلۂ کار بننے سے بچیں' وہیں اس "دیسی یہودیت" سے بھی خبردار رہیں۔ اس کے بارے میں بھی انہیں صحیح صحیح معلومات ہونی چاہئیں۔ چنانچہ ذرا ان کے ساتھ بھی اپنے عقائد کا موازنہ کریں تو اندازہ ہو کہ اختلاف کس درجے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کے برعکس قادیانی بھی حضرت مسیحؑ کی بغیر باپ کے ولادت کے قائل نہیں ہیں' لہٰذا وہ یہودیوں کے قریب تر ہو گئے یا نہیں؟ محمد حسین نامی ایک شخص جو بہت عرصے تک لاہوری مرزائیوں کے انگریزی پرچے "The Lgiht" کا ایڈیٹر رہا تھا' مرزائیت سے منحرف ہو گیا تھا۔ بقول اس کے وہ لاہوریت اور قادیانیت دونوں سے اعلانِ براءت کر چکا تھا۔ وہ شخص میرے دروس میں بڑے شوق سے بیٹھا کرتا تھا اور میرے لئے وہی القابات استعمال کرتا تھا جو یہ لوگ اپنے بڑے بڑے لوگوں کے بارے میں استعمال کرتے ہیں۔ میرے پاس اس کی وہ کتاب بھی موجود ہے جس میں اس نے میرے لئے وہ القابات لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن اس شخص نے جب میرا سورۂ مریم کا درس سنا جس میں مَیں نے یہ الفاظ استعمال کئے کہ جو شخص بھی اس بات کو نہیں مانتا کہ حضرت مسیحؑ کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی ہے وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتا' تو اس دن کے بعد وہ میرے درس میں نہیں آیا اور

صرف یہی نہیں بلکہ اس نے میرے خلاف پروپیگنڈہ شروع کردیا' پمفلٹ چھپوا کر تقسیم کئے اور میرے خلاف سازشیں شروع کردیں' حالانکہ کہنے کو وہ قادیانیت سے تائب ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس معاملے میں قادیانیوں کے عقیدے پر قائم تھا۔ اس لئے کہ وہ اگرچہ بشیرالدین محمود سے تو بہت نالاں تھا لیکن حکیم نورالدین کا بہت معتقد تھا اور حکیم نورالدین کی رائے یہ ہے کہ مسیح کی پیدائش بن باپ کے نہیں ہوئی۔ پھر قادیانی یہودیوں کی طرح حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کے بھی قائل نہیں ہیں' بلکہ وہ کہتے ہیں کہ مسیح وہاں سے بھاگ کر یہاں کشمیر آیا اور یہاں مر گیا اور دفن ہو گیا۔ ان کے نزدیک یہاں اس کی قبر بھی موجود ہے۔ تو کون تم سے قریب تر ہے؟ غور کرو' سوچو کہ کس کے ہتھکنڈوں میں آ رہے ہو! قادیانیوں کا یہ موقف قرآن کے فلسفہ کے سراسر خلاف ہے۔ میں اس اعتبار سے اس پر تنقید کروں گا تو بات زیادہ طویل ہو جائے گی۔ بہرحال مختصراً جان لیجئے کہ کوئی رسول جان بچا کر نہیں بھاگا کرتا۔ البتہ ہجرت ہو سکتی ہے۔ لیکن رسول کی ہجرت کے بعد یا تو پوری قوم ہلاک کر دی جاتی ہے یا رسول کو ان کے اوپر فتح حاصل ہوتی ہے' غلبہ نصیب ہوتا ہے' جیسے محمدٌ رسول اللہ ﷺ کو مکہ پر فتح حاصل ہوئی اور حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک جن جن رسولوں نے بھی ہجرت کی ان کی قومیں ہلاک کر دی گئیں۔ اللہ کی سنت تو یہ ہے۔ اس کے برعکس یہ کہنا کہ مسیح وہاں سے جان بچا کر بھاگ کر آ گئے اور یہاں گمنامی میں ان کی موت واقع ہو گئی سراسر غلط ہے۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ۔ اللہ کے کسی رسول کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہو گی!

تیسری بات یہ کہ قادیانی حضرت مسیحؑ کے رفع سماوی کی طرح ان کی دوبارہ آمد کے بھی منکر ہیں۔ اس ضمن میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اصل میں تو مثیلِ مسیح کو دنیا میں آنا تھا اور وہ آ گیا مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں۔ تو اگر تمہارے قول کے مطابق مسیح دجال اور اینٹی کرائسٹ بنتا ہے تو وہ مرزا قادیانی آنجہانی بنتا ہے۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں۔ لیکن عیسائیوں کا انہی کے ہتھکنڈوں کے اندر آ جانا اور انہی کے آلۂ کار بن جانا کس قدر قابلِ تعجب بات ہے! اس پر مجھے اقبال کا یہ شعر یاد آ رہا ہے۔

شیاطینِ ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری

یعنی شکار خود یہ چاہے کہ مجھے شکار کر لیا جائے۔

دراصل اس دیسی یہودیت یا ہندی یہودیت کو ملکِ خداداد پاکستان سے اس لئے بغض و عداوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملتِ اسلامیہ پاکستان کو توفیق عطا فرمائی کہ اس نے علماء کے اِجماع (Consensus) کے ساتھ' قانون اور دستور کے تمام تقاضے پورے کر کے دستوری طور پر ان کی تکفیر کی۔ اور ایسا نہیں ہوا کہ ان کی بات نہ سنی گئی ہو۔ مرزا ناصر احمد کو قومی اسمبلی میں بلا کر پورا موقع دیا گیا کہ وہ اپنے موقف کا پوری طرح دفاع کرے۔ اس نے برملا کہا کہ ہم مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں۔ اس کے بعد پوری اسمبلی نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر یہ اس موقف پر قائم ہیں تو دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ لہٰذا وہ ہم سے اس کا انتقام لینا چاہتے ہیں اور اس کے لئے یہاں کے مسیحیوں کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہتے ہیں۔ اب ہمارے یہاں کے عیسائی بھائیوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ کس کے خلاف کس کے آلۂ کار بن رہے ہیں؟ ہم تو خود منتظر ہیں حضرت مسیحؑ کے اور وہ حضرت مسیحؑ ابن مریم ہوں گے' کوئی مثیل مسیح نہیں۔ قادیانیت کے اسی شوشے کی علامہ اقبال نے "ابلیس کی مجلس شوریٰ" نامی نظم میں اس طرح تعبیر کی ہے۔

آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات؟

یہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ فرزندِ مریم کی صفات کا حامل مجدد یہ غلام احمد آگیا ہے' بس اب کسی اور مسیح کو نہیں آنا ہے۔ جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ' جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ' عیسیٰ ابن مریم' دوبارہ بنفسِ نفیس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ البتہ ان کے نزول سے قبل یہودیوں میں سے ایک مسیح دجال کھڑا ہو گا جسے حضرت مسیحؑ اپنے ہاتھوں سے مقامِ "لُد" پر قتل کریں گے۔ (واضح رہے کہ "لِڈا" اسرائیل کا سب سے بڑا ایئر بیس ہے) اُس وقت عالمِ اسلام کے لیڈر حضرت مہدی ہوں گے۔ میری مراد شیعوں والے مہدی یعنی ان کے بارہویں امام نہیں ہیں' جو کسی غار کے اندر روپوش ہیں اور کبھی ظاہر ہوں گے' بلکہ

وہ عالمِ اسلام کے ایک عظیم قائد ہوں گے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے پیدا ہوں گے۔ ممکن ہے کہ وہ اب تک پیدا ہو چکے ہوں‘ اس لئے کہ حالات تو بڑے قریب آچکے ہیں‘ اس حوالے سے کیا پتہ کہ کوئی دن کی بات ہو کہ ان کی طرف سے دعویٰ سامنے آجائے جس کی پوری تفاصیل احادیث میں موجود ہیں۔ اس مہدی کی نصرت کے لئے ایک تو زمینی مدد جائے گی اور ایک آسمانی مدد آئے گی۔ زمینی مدد مشرق کے ممالک یعنی پاکستان اور افغانستان کی طرف سے جائے گی اور آسمانی مدد حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم کی صورت میں نازل ہو گی۔ مسیح ابن مریم مہدی کی مدد کریں گے جس کے نتیجے میں دنیا سے یہودیوں کا قلع قمع ہو جائے گا۔ پھر اس کے بعد اسلام اور عیسائیت ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں گے اور صرف اسلام ہی باقی رہ جائے گا۔ حضرت مسیحؑ آکر مسیحیوں کو بتائیں گے کہ مجھے سولی نہیں دی گئی‘ تم کہاں عقیدۂ صلیب لے کر بیٹھے ہو۔ (فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ : پس وہ صلیب کو توڑ دیں گے) تمہارا خیال غلط ہے کہ مجھے صلیب دی گئی۔ بات وہ صحیح ہے کہ جو برنباس نے کہی۔ (وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ : اور خنزیر کو قتل کر دیں گے) اپنے نام لیواؤں سے کہیں گے کہ تم نے خنزیر کا کھانا اپنے لئے حلال کر لیا تھا‘ آج اس کو ختم کیا جاتا ہے۔ شریعتِ موسوی میں تو خنزیر حرام ہی تھا۔ لہٰذا جب یہ چیزیں ختم ہو جائیں گی تو عیسائیت اسلام ہی کی شکل اختیار کر لے گی اور پھر پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو گا۔

تو مسیحی بھائیو! یہ ہیں ہمارے عقائد! آپ ہمارے پورے عقائد چاہے نہ مانیں‘ لیکن آج کی میری گفتگو کے حوالے سے اس پر غور تو کریں کہ آپ کے عقیدے سے قریب ترین کون ہے: یہودی یا مسلمان؟ اور قادیانی یا مسلمان؟؟ کم سے کم اتنا تقابلی جائزہ تو ہر شخص لے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے کہ وہ حقائق کو دیکھیں اور جو ریشہ دوانیاں اور سازشیں ہیں ان کی حقیقت کو سمجھنے کے قابل ہو سکیں--- آمین!

تعلیماتِ مسیحؑ اور تعلیماتِ نبویؐ میں مطابقت و مماثلت

سورۂ آلِ عمران اور سورۃ المائدہ کی بعض آیات کے حوالے سے ایک تقابلی جائزہ

﴿وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰكِ ......
...... وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمٰكِرِيۡنَ۝﴾ (آل عمران : ۴۲ تا ۵۴)

"ذرا یاد کرو جبکہ فرشتوں نے مریم سے کہا تھا : اے مریم! اللہ نے تمہیں چُن لیا ہے، تمہیں خوب پاک کر دیا ہے اور تمہارا انتخاب کر لیا ہے تمام جہان کی خواتین پر۔ اے مریم! اپنے رب کے لئے کھڑی رہا کرو، اور سجدہ کرو اور رکوع کیا کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ (اے نبی ﷺ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی جانب وحی کر رہے ہیں۔ آپ تو ان لوگوں کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ (ہیکل کے خادم) قرعہ اندازی کر رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے گا، اور آپ تو وہاں موجود نہیں تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ اور یاد کرو جبکہ فرشتوں نے مریم سے کہا : اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک کلمے کی، جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا"۔

یہاں "كَلِمَةٍ مِّنۡهُ" کے الفاظ بڑی اہمیت کے حامل ہیں، تاہم وقت کی کمی کے باعث اس وقت ان پر تفصیلی گفتگو ممکن نہیں۔ انجیل میں [سینٹ یوحنا (John) کے گوسپل

کے ابتدائی حصے میں] بھی یہ مضمون آیا ہے جو قرآن حکیم میں دو تین مقامات پر وارد ہوا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو کلمہ کیوں کہا گیا؟ اس کے بارے میں میں ایک مضمون میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں جو حکمت قرآن میں شائع ہوا تھا' لیکن ہنوز کتابی شکل میں نہیں آیا۔ سینٹ یوحنا نے بھی بات یہیں سے شروع کی ہے : "اس زندگی کے کلام کی بابت جو ابتدا سے تھا...." کلمہ یا کلام متکلم کی شخصیت کا جزو لاینفک ہوتا ہے' وہ اس سے صادر ہوتا ہے اور اللہ کا کلامِ "کُن" اس کائنات کی تخلیق کا ذریعہ بنا ہے۔ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حرفِ "کُن" سے پیدا کرنی چاہیں وہ پیدا کر دیں اور انہیں مخصوص طبعی اور کیمیائی خصوصیات ودیعت کر دیں۔ اب یہ نظام مخصوص طبعی و کیمیائی قوانین کے مطابق خود بخود چل رہا ہے اور اس کو چلانے کے لئے مزید "کُن" کی ضرورت نہیں۔ گویا کہ چابی بھر دی گئی ہے اور گاڑی خود بخود چل رہی ہے۔ لیکن جہاں اس نظام کو توڑا جائے گا' اس کے طبعی قوانین کے خلاف کہیں جانا ہو گا وہاں ایک اضافی "کُن" درکار ہو گا۔ ("Theory of Evolution" اور "Theory of Mutation" کے درمیان اصل مسئلہ بھی اسی لفظِ "کُن" سے حل ہوتا ہے۔) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "كَلِمَةٍ مِنْهُ" اس لئے کہا گیا کہ انہیں بن باپ کے پیدا کیا گیا۔ یہاں پر طبعی قانون ٹوٹ رہا تھا' طبعی قانون کے تحت ولادتِ انسانی کا سلسلہ ایک ماں اور ایک باپ سے ہوتا ہے' لیکن یہاں اس سلسلے کی ایک کڑی موجود نہیں تھی' لہٰذا تخلیقِ مسیح کے ضمن میں یہ حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافی کلمۂ کُن کی صورت میں صادر ہوا۔ "جو دنیا اور آخرت میں باعزت ہو گا اور ہمارے بہت مقرب بندوں میں سے ہو گا' اور وہ لوگوں سے بات کرے گا گود میں بھی (جبکہ وہ شیر خوار ہو گا) اور بڑی عمر میں بھی"۔ واضح رہے کہ کہولت کی عمر پچاس سال کے بعد شروع ہوتی ہے' جبکہ حضرت مسیحؑ کا رفعِ سماوی (یا عیسائیوں کے نزدیک ان کا مصلوب ہونا) ۳۲ برس کی عمر میں ہوا۔ چنانچہ ان الفاظِ قرآنی میں ان کی آمدِ ثانی کی پیشینگوئی ہے۔ حدیث نبویؐ کے مطابق زمین پر دوبارہ آنے کے بعد حضرت مسیحؑ کی شادی بھی ہو گی اور ان کے ہاں اولاد بھی ہو گی۔ "اور وہ ہمارے صالح

بندوں میں سے ہو گا۔ مریم نے کہا : پروردگار (یہ مجھے کیا خوشخبری دی جا رہی ہے؟) میرے ہاں کوئی اولاد کیسے ہو جائے گی جبکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں۔ فرمایا : اسی طرح ہو گا' اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے (اس کا اختیار مطلق ہے' وہ قانونِ طبعی کا پابند نہیں ہے' بلکہ قانونِ طبعی اپنے نتائج و آثار کے لئے اس کے اِذن کا محتاج ہے) وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ اور اللہ اسے سکھائے گا کتاب بھی اور حکمت بھی اور تورات بھی اور انجیل بھی"۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیحؑ کو سکھائے جانے کے ضمن میں چار چیزوں کا ذکر ہوا ہے' یعنی کتاب' حکمت' تورات اور انجیل۔ آج کی نشست میں ان کے بارے میں قدرے مفصل گفتگو ہو گی۔ "اور وہ رسول ہو گا بنی اسرائیل کی طرف"۔ یہاں پر "وَرَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ" کے الفاظ بہت اہم ہیں۔ ان میں گویا یہ صراحت ہے کہ حضرت مسیحؑ پوری نوعِ انسانی کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ خود حضرت مسیحؑ کا قول موجود ہے کہ میں تو اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں۔ (اور جب وہ بحیثیتِ رسول بنی اسرائیل کے پاس آئے تو انہوں نے کہا) "میں تمہارے پاس آیا ہوں تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لے کر (اور ایسی ایسی عظیم نشانیاں لے کر) کہ میں تمہارے سامنے گارے سے پرندے کی شکل بناتا ہوں' پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑتا ہوا پرندہ بن جاتا ہے۔ اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو (ہاتھ پھیر کر) بھلا چنگا کر دیتا ہوں۔ اور اللہ کے حکم سے میں مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔ اور میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ تم کیا کھا کر آئے ہو اور کیا تم نے ذخیرہ کر کے اپنے گھروں کے اندر رکھا ہوا ہے۔ اس میں یقیناً تمہارے لئے بھرپور نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔ اور جو تورات میرے سامنے موجود ہے میں اس کی تصدیق کرتے ہوئے آیا ہوں۔ اور میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے لئے بعض ان چیزوں کو حلال کر دوں جو (مولویانہ موشگافیوں کی وجہ سے) تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ اور دیکھو' میں تمہارے پاس یہ نشانی لے کر آیا ہوں تمہارے رب کی

طرف سے۔ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ یقیناً اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے' چنانچہ تم اسی کی بندگی کرو۔ یہی ہے جو سیدھا راستہ ہے۔
پھر جب عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی طرف سے یہ محسوس کیا کہ یہ کفر و انکار پر اڑ گئے ہیں تو ندا بلند کی کہ کون ہیں جو میرے مددگار ہوں اللہ کی راہ میں؟ حواریوں نے (ان کی ندا پر لبیک کہتے ہوئے) کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار! ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں' آپ بھی گواہ رہیں کہ ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ اے پروردگار' ہم ایمان لے آئے ہیں اس پر جو تو نے نازل فرمایا' اور ہم نے تیرے رسول کی پیروی قبول کی' پس تو ہمارا نام گواہی دینے والوں میں درج کر لے۔ اور بنی اسرائیل نے (مسیحؑ کے خلاف) اپنی سی چالیں چلیں اور اللہ نے اپنی چال چلی۔ اور ایسی تدبیروں میں اللہ سب سے بڑھ کر ہے"۔ اللہ کی چال یہ تھی کہ جس شخص (یہوداہ اسکریوتی) نے حضرت مسیحؑ سے غداری کرتے ہوئے مخبری کی تھی اس کی شکل حضرت مسیحؑ کی سی بنا دی گئی' چنانچہ وہ گرفتار ہوا اور سولی چڑھ کر کیفر کردار کو پہنچا۔ اس طرح اسے اپنے کیے کی سزا مل گئی اور آسمان سے اترنے والے چار فرشتے حضرت مسیحؑ کو زندہ سلامت آسمان پر اٹھا لے گئے۔ اس کی پوری تفصیل انجیل برناباس میں موجود ہے۔

سورۂ آل عمران کی مذکورہ بالا آیات میں حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے قبل حضرت مریم کو دی جانے والی بشارتوں سے بات شروع ہوئی' پھر قوم نے حضرت مسیحؑ کے ساتھ جو معاملہ کیا اس کا ذکر بھی ہوا۔ گویا یہ تو دنیا کا معاملہ ہوا' قیامت کے دن کیا ہوگا؟ اسے سورۃ المائدہ کے آخر میں اس طرح بیان کیا گیا:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ....
قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝﴾ (المائدہ: ۱۰۹ تا ۱۱۱)

"جس روز اللہ تعالیٰ سب رسولوں کو جمع کر کے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا؟ (یعنی تمہاری دعوت کے نتیجے میں تمہاری قوموں کا ردِ عمل کیا تھا؟) تو وہ کہیں گے کہ ہمیں کل علم تو حاصل نہیں ہے' تمام غیبوں کا جاننے والا تو خود ہے"۔ یہ گویا ادب کا کلمہ

ہے کہ بجائے اپنی طرف سے بات شروع کر دینے کے' اپنے علم کی نفی کی جائے۔ جیسے صحابہ کرام ؓ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب حضور ﷺ ان سے کوئی سوال کرتے تو اکثر و بیشتر پہلے ایک دو مرتبہ کہتے : اَللّٰہُ وَرَسُولُہٗ اَعْلَم۔ پھر جب آپؐ اصرار کرتے تو اپنی طرف سے جواب دینے کی کوشش کرتے۔ "(پھر تصور کرو اس موقع کا) جب اللہ فرمائے گا کہ : اے مریم کے بیٹے عیسیٰ!" یہ قرآن حکیم کا بڑا پُر جلال مقام ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے تمام تر علوِ مرتبت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ایک بندے ہی تو ہیں۔ شیخ ابن عربی کی جانب منسوب یہ ایک بڑا پیارا شعر ہے۔

اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّل
وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی

(رب رب ہی ہے خواہ وہ کتنا ہی نزول فرمالے اور بندہ بندہ ہی رہتا ہے خواہ اسے کتنا ہی عروج حاصل ہو جائے)۔۔۔۔ حدیثِ نبویؐ کے مطابق ہر شب کے پچھلے حصے میں اللہ تعالیٰ سماءِ دنیا یعنی پہلے آسمان تک نزول فرماتا ہے' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ رب کہیں نیچے آ گیا' بلکہ رب تو رب ہی ہے۔ اور بندہ خواہ کتنے ہی مقامات بلند حاصل کر لے' خواہ اسے کتنا ہی عروج حاصل ہو جائے وہ بندہ ہی رہتا ہے۔ محمد عربی ﷺ ساتویں آسمان تک پہنچ کر بھی "عبد" ہی رہے : فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔

"ذرا یاد کرو میرے ان انعامات کو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوئے۔ جب میں نے روح القدس سے تمہاری تائید اور مدد کی' تم لوگوں سے گفتگو کرتے تھے جبکہ تم گود میں تھے اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی' اور یاد کرو جب میں نے تمہیں تعلیم دی تھی کتاب کی اور حکمت کی اور تورات کی اور انجیل کی"۔ یہ بات میں نے بارہا بیان کی ہے کہ قرآن مجید میں اہم مضامین کم از کم دو بار ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ یہ دوسرا مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تعلیم دی جانے والی چار چیزوں کا ذکر ہوا ہے۔ "اور جب تم میرے حکم سے گارے سے پرندے کی سی صورت بناتے تھے' پھر اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے اڑتا ہوا پرندہ بن جاتا تھا' اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے

حکم سے اچھا کر دیتے تھے۔ اور تم مُردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتے تھے۔ اور یاد کرو جب میں نے بنی اسرائیل (کے ہاتھوں کو) تم سے روکے رکھا (جبکہ وہ تو تمہاری تکابوٹی کرنے پر تلے ہوئے تھے) جبکہ تم ان کے پاس صریح نشانیاں لے کر پہنچے تو ان میں سے جو لوگ منکرِ حق تھے انہوں نے کہا یہ نشانیاں جادوگری کے سوا اور کچھ نہیں (اور چونکہ جادو کفر ہے لہٰذا یہ کافر ہو گیا ہے اور اس بنا پر واجب القتل ہو گیا ہے) اور یاد کرو جب میں نے تمہارے حواریوں کو اشارہ کیا تھا کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسولوں پر۔ تب انہوں نے کہا تھا کہ ہم ایمان لائے' اور آپ بھی گواہ رہیں کہ ہم مسلم ہیں!"۔

☆ ☆ ☆

میں نے قرآن حکیم کے دو مقامات سے چند آیات اور ان کا ترجمہ آپ کے سامنے رکھا ہے تاکہ اندازہ ہو کہ قرآن مجید کی رو سے حضرت مسیحؑ کے بارے میں اہل سنت کے عقائد کیا ہیں۔۔۔ان کو مدنظر رکھتے ہوئے عیسائیوں کو ذرا سوچنا چاہئے کہ وہ کس کی مخالفت کس کے آلۂ کار بن کر کر رہے ہیں۔ اس موضوع پر میں اپنے یہاں کے گزشتہ خطابِ جمعہ میں قدرے تفصیل سے بات کر چکا ہوں۔ ہم اپنے وسائل کے مطابق ان باتوں کو عام کرنا چاہتے ہیں۔ باقی ان کے نتائج و عواقب اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

تعلیماتِ مسیحؑ کے بارے میں چند مغالطے

آج اصل میں میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک تو عیسائیوں اور یہودیوں کے اندر مختلف غلط فہمیاں ہیں' لیکن خود ہم مسلمانوں میں بھی حضرت مسیحؑ کے بارے میں بہت سے مغالطے موجود ہیں' خاص طور پر ان کی تعلیمات کے بارے میں ہم بہت سے مغالطوں کا شکار ہیں۔ مثلاً یہ بات آپ کو بہت عام ملے گی اور ہمارے عام واعظین اور مقررین حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا اسلامی تعلیمات سے تقابل کرتے ہوئے اسے بڑے زور شور سے بیان کرتے ہیں اور اس طرح حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں کہ "اگر کوئی تمہارے دائیں گال پر تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اس کے سامنے پیش کر دو"۔ اسے بڑی خلافِ فطرت تعلیم قرار دیا

جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں قرآن کا قانونِ قصاص پیش کیا جاتا ہے۔ میں اصل میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات اور قرآن مجید کی تعلیمات میں یہ جو ظاہری تضاد نظر آتا ہے اس کی اصل وجہ' اس کا سبب اور اس کی بنیاد کیا ہے اور اس کی تہہ میں اصل کیا چیز کار فرما ہے؟ اس کے لئے پہلے ان چار چیزوں کو سمجھنا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیحؑ کو تعلیم دی گئیں اور جن کا ذکر قرآن مجید کے مذکورہ بالا دونوں مقامات پر آیا ہے۔ یعنی ۱) کتاب' ۲) حکمت' ۳) تورات' ۴) انجیل---

انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کے بارے میں ایک مغالطے کا ازالہ

لیکن اس اعتبار سے پہلے ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اساسی منہاج کے بارے میں جو چار اصطلاحات (تلاوتِ آیات' تزکیہ' تعلیم کتاب' تعلیم حکمت) قرآن مجید میں چار مرتبہ آئی ہیں خود ان کے بارے میں مسلمان مغالطوں میں مبتلا ہیں تو حضرت مسیحؑ کے بارے میں کیوں نہیں ہو جائیں گے؟ سورۃ البقرہ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا کے الفاظ نقل ہوئے ہیں :

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (آیت۱۲۹)

"پروردگار' ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو' جو انہیں تیری آیات سنائے' انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے"۔

یہ سورۃ البقرہ کا پندرھواں رکوع ہے۔ اسی سورۃ کے اٹھارھویں رکوع میں فرمادیا گیا کہ دیکھو' ابراہیم اور اسماعیل نے جو دعا کی تھی محمدؐ رسول اللہ (ﷺ) دراصل اسی کا ظہور ہیں : ﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آیت۱۵۱)

"جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا' جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے' تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے...."

سورۃ البقرہ اور سورۂ آل عمران کے مابین آپس میں نسبتِ زوجیت ہے' چنانچہ یہی مضمون

زیادہ آن بان اور شان کے ساتھ سورۂ آل عمران میں بایں الفاظ آگیا :

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آیت ۱۶۴)

"درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے ان کی زندگیاں سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

اور آخری مرتبہ یہ مضمون سورۃ الجمعہ میں آیا :

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آیت ۲)

"وہی ہے جس نے اُمّیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا' جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے' ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے' اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

اس ضمن میں مَیں نے کل ہی قرآن کالج میں ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس کے شرکاء کو اپنے ایک مضمون "انقلابِ نبوی ؐ کا اساسی منہاج" کا مطالعہ کروایا ہے۔ بیس صفحات پر مشتمل یہ مضمون دراصل میں نے ۱۲/ ربیع الاول ۱۹۷۷ء کو شام ہمدرد کی ایک تقریب میں مقالے کی صورت میں پیش کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان چار اصطلاحات کے ضمن میں مسلمانوں کے ذہنوں میں بہت بڑے مغالطے موجود ہیں اور وہ ان میں سے صرف دُو (یعنی تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب) کو قرآن سے متعلق سمجھتے ہیں۔ "تلاوتِ آیات" سے قرآن کا پڑھ کر سنا دینا مراد لیا جاتا ہے اور عام طور پر ہمارے علماء اس کی وضاحت کرتے ہوئے تلاوتِ آیات کو ناظرہ قرآن پڑھا دینے کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ "تزکیہ" کو ایک بالکل علیحدہ شے سمجھا جاتا ہے اور اسے اس سلسلے کی ایک کڑی کے طور پر تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ تاہم "تعلیم کتاب" کا مفہوم قرآن حکیم کی تعلیم ہی سمجھا جاتا ہے۔ گویا تلاوتِ آیات میں قرآن کا ناظرہ پڑھنا پڑھانا اور پھر تعلیم کتاب میں قرآن حکیم کا ترجمہ و

تفسیر آ جاتے ہیں۔ لیکن "الحکمۃ" کو پھر قرآن سے خارج قرار دیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ یہ سنت ہے' حدیث ہے یا کوئی اور شے ہے۔ اس طریقے سے ان چاروں کو علیحدہ علیحدہ کر کے دُو او رڈُو میں تقسیم کر دیا گیا ہے' جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ چاروں در حقیقت قرآن مجید ہی کے اجزاء ہیں۔

تلاوتِ آیات : قرآن حکیم کا ایک حصہ وہ ہے جو دلائل و براہین پر مشتمل ہے --- آیاتِ آفاقی اور آیاتِ انفسی سے استشہاد کرتے ہوئے توحید کے دلائل' ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے دلائل --- اور "تلاوتِ آیات" سے قرآن کا یہ حصہ مراد ہے۔ اور سب سے پہلے قرآن کا یہی حصہ نازل ہوا۔

تزکیہ : تلاوتِ آیات ہی کا منطقی نتیجہ "تزکیہ" ہے۔ یعنی جب آپ کا فکر درست ہو جائے گا تو عمل بھی درست ہو جائے گا ع "گندم از گندم بروید جو ز جو!" اگر فکر' عقیدہ اور نظریات غلط ہیں تو اعمال بھی غلط ہوں گے۔ اگر آپ کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہے کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں' بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست' تو پھر آپ گلچھرے اڑائیں گے' جو بھی کر سکیں گے کریں گے' پھر آپ کا نظریہ یہ ہو گا کہ جہاں بھی ہاتھ پڑ سکتا ہو اسے کیوں روکا جائے؟ لیکن اگر یہ یقین ہو جائے کہ نہیں' مرنے کے بعد جی اٹھنا ہے اور اخروی محاسبہ کے نتیجے میں جزا و سزا کا سامنا کرنا ہے تو آپ پھونک پھونک کر قدم رکھیں گے۔ اس سب کا دارومدار آپ کی فکر پر ہے۔ چنانچہ تزکیہ دراصل غلط مادہ پرستانہ' ملحدانہ اور مشرکانہ افکار و نظریات کی جڑیں کاٹ کر توحید و رسالت اور معاد کی بنیاد پر ایک شخص کے ذہن کی تعمیرِ نو کا نتیجہ ہے۔ اب اس سے اس کے برے اعمال' برے اخلاق' برے کردار اور بری عادات اسی طرح جھڑ جائیں گی جیسے پت جھڑ میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ خود قرآن حکیم میں یہ الفاظ آئے ہیں :

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ ﴾ (یونس : ۵۷)

"لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو

دلوں کے امراض کی شفاء ہے"۔

یعنی سینوں کے اندر جو روگ ہیں ان کی شفاء بھی یہی قرآن ہے۔

تعلیم کتاب : "تلاوتِ آیات" اور "تزکیہ" کے بعد اس سلسلے کی تیسری اصطلاح "تعلیم کتاب" ہے۔ اور "کتاب" سے مراد در حقیقت اَحکام ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں احکام کا ذکر بالعموم اس اسلوب میں کیا جاتا ہے : كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ' كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ' كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ' كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ۔ اسی طرح نماز کے بارے میں فرمایا گیا : "إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا"۔ ایسے ہی عیسائیوں کے رَہبانیت اختیار کرنے کے بارے میں فرمایا گیا : "مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ"۔ غرضیکہ قرآن حکیم میں جہاں کہیں کسی چیز کی مشروعیت اور فرضیت کا ذکر آتا ہے اس کے لئے "کتاب" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن ہی کا وہ حصہ جو اَحکام یعنی اوامر و نواہی پر مشتمل ہے وہ "کتاب" ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ حصہ ہجرت کے بعد نازل ہوا ہے۔ صرف نماز کے بارے میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہجرت سے دو سال قبل معراج کے موقع پر فرض ہو گئی تھی' ورنہ روزہ بھی ہجرت کے بعد فرض ہوا' زکوٰۃ کا نظام بھی بعد میں آیا' حج کے بارے میں ساری تعلیمات بعد میں آئیں' شراب کی حرمت بعد میں آئی' سود کی حرمت تو بہت بعد میں آئی۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن حکیم میں "کتاب" کا حصہ بعد میں نازل ہوا۔

تعلیم حکمت : جہاں تک "حکمت" یعنی دانائی کا تعلق ہے یہ در حقیقت تعلیم و تربیتِ نبوی ؐ کا درجہ تخصّص ہے' یہ سب کے لئے نہیں ہے' بلکہ صرف اُن افراد کے لئے ہے جو اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے حامل ہوں۔ انہیں قرآن حکیم سے وہ حکمت اور دانائی حاصل ہوتی ہے جس سے تمام احکام مبنی بر حکمت نظر آنے لگیں اور انہیں اس حقیقت کا ادراک حاصل ہو جائے کہ یہ احکام ہم پر جبراً ٹھونسے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ان میں ہماری ہی مصلحتیں ہیں'

ان میں ہمارے لئے فوائد ہیں' انہی سے نظامِ انسانی درست ہو گا' انہی سے ہماری معاشرت اور معیشت کا نظام درست ہو گا' انہی کے نتیجے میں یہاں عدل و انصاف کا دَور دَورہ ہو گا۔ جب یہ بصیرتِ باطنی پیدا ہو جاتی ہے تو یہ حکمت ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے اساسی منہاج کو ان چار اصطلاحات کے حوالے سے سمجھنا ضروری ہے' اور ان چاروں کا تعلق قرآن حکیم سے ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ ہمارے لئے بڑی قابلِ احترام شخصیت ہیں' انہوں نے حکمت سے مراد حدیث یا سُنّت لی ہے' اور اس سے عام طور پر یہ گمان ہو گیا ہے کہ حکمت کا تعلق قرآن سے نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن خود کہتا ہے کہ :

﴿ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوۡحٰٓى اِلَيۡكَ رَبُّكَ مِنَ الۡحِكۡمَةِ ﴾

(الاسراء : ۳۹)

"یہ ہے وہ شے (اے نبیؐ) جو آپ پر آپ کے رب نے نازل کی ہے از قبیلِ حکمت"۔

گویا حکمت بھی محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر "نازل" کی گئی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ حدیث کے بارے میں یہ الفاظ نہیں آئے۔ مزید برآں سورۃ البقرہ کی آیت ۲۳۱ اور سورۃ النساء کی آیت ۱۱۳ میں "کتاب" اور "حکمت" دونوں کے ساتھ "نزول" کا لفظ آیا ہے۔ البتہ یہ بات ایک حکیمانہ نکتہ کے طور پر سمجھ لیجئے کہ پورے قرآن کی شرح حدیثِ نبویؐ ہے' اگرچہ ایک اعتبار سے ان کے مابین معکوس (Reciprocal) نسبت ہے۔ یعنی قرآن حکیم میں "آیات" کا بیان بہت تفصیلی ہے۔ دو تہائی قرآن مکی ہے اور مکی سورتوں میں سب سے بڑا مضمون یہی آیاتِ آفاقی و انفسی کا ہے' لیکن حدیث میں اس کی تشریح و توضیح بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے چھوڑ دیا کہ جیسے جیسے سائنس آگے بڑھے گی آیاتِ آفاقی و انفسی خود بخود مزید اجاگر ہوتی چلی جائیں گی۔ حدیث میں اس کی شرح کی ضرورت ہی نہیں تھی اور نہ انسان اُس وقت جبکہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ دنیا میں بھیجے گئے' اس پوزیشن میں تھا کہ ان کو بالتفصیل سمجھ سکتا۔ چنانچہ ان کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمادیا گیا :

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (حٰم السجدہ : ۵۳)

"عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی' یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے"۔

اور اب جتنی سائنسی ترقی ہو رہی ہے اور جو سائنسی انکشافات اور اکتشافات ہو رہے ہیں ان کے نتیجے میں ثابت ہو رہا ہے کہ قرآن مجید یہ بات اس انداز میں بہت پہلے کر چکا ہے۔ البتہ کتاب' تزکیہ اور حکمت' ان تینوں کی شرح آپ کو حدیث میں ملے گی' لیکن ان میں سب سے زیادہ شرح حکمت کی اور پھر احکام کی ملے گی۔ گویا کہ پہلی چیز "تلاوتِ آیات" قرآن ہی میں سب سے زیادہ تفصیل سے آگئی' لہٰذا حدیث میں اس کا مفصل تذکرہ کرنے کی ضرورت نہ تھی' جبکہ آخری چیز "حکمت" قرآن مجید میں بہت خفی اور مخفی ہے' لہٰذا حدیث میں اس کی تفصیلی شرح آئی ہے۔ اس اعتبار سے امام شافعیؒ کے قول کی بھی ایک تاویل اور توجیہ ہو جاتی ہے۔ لیکن حکمت سے صرف حدیث مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن ہی تلاوتِ آیات سے متعلق ہے' قرآن ہی تزکیہ کا ذریعہ ہے' قرآن ہی کتاب یعنی احکام کا مجموعہ ہے' اور قرآن ہی کے اندر حکمت بھی ہے۔

سابقہ کتبِ سماویہ اور قرآن کا تقابل

اب اس پس منظر میں سمجھئے کہ تورات' انجیل اور زبور کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ تورات میں صرف احکام ہیں' اس میں حکمت کی تعلیم دی جاسکتی ہی نہیں تھی' کیونکہ اُس وقت نسلِ انسانی ذہنی اور فکری اعتبار سے ابھی عہدِ طفولیت میں تھی' لہٰذا تورات صرف "کتاب" ہے۔ زبور حمد کے ترانوں پر مشتمل ہے' یعنی اس میں آپ کو صرف "آیات" ملیں گی' جبکہ انجیل صرف "حکمت" ہے۔ قرآن مجید میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں واضح الفاظ میں آیا ہے کہ :

﴿وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝﴾ (الزخرف : ۶۳)

"اور جب عیسیٰؑ صریح نشانیاں لیے ہوئے آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ "میں تم لوگوں کے پاس حکمت لے کر آیا ہوں' اور اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض ان باتوں کی حقیقت کھول دوں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو' لہٰذا اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو"۔

دیکھئے' یہاں صرف ایک لفظ "حکمت" آیا ہے کہ "میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں"۔

انجیل' حکمت پر اور تورات احکام پر مشتمل ہے : میں یہ بات تکرار و اعادہ کہہ رہا ہوں کہ قرآن حکیم میں "آیات" بھی ہیں' یعنی دلائل و براہین بھی ہیں' اس میں حمد کے ترانے بھی ہیں' اس میں تزکیۂ نفس کا سامان بھی ہے' اس میں کتاب یعنی احکام بھی ہیں' اور اس میں حکمت بھی ہے' لیکن انجیل صرف حکمت اور تورات صرف احکام پر مشتمل ہے۔ اصل میں اب یہ بھی بڑی مشکل ہے کہ ہم تورات کہیں کسے؟ آج جو پانچ کتابیں عہد نامۂ قدیم (Old Testament) کی شمار ہوتی ہیں انہیں یہ لوگ "Five Books of Moses" تو کہہ دیتے ہیں لیکن یہ "تورات" نہیں ہیں۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تورات کسی حد تک ان پانچوں کتابوں کے اندر موجود ہے۔ اپنے زمانۂ طالب علمی میں مجھے اناجیلِ اربعہ' خاص طور سے متی کی انجیل سے بہت شغف ہو گیا تھا۔ اس میں شامل حضرت مسیحؑ کے "پہاڑی کے وعظ" (Sermon of the mount) سے مجھے بہت ہی دلی مناسبت ہے۔ اُن دنوں میں ساہیوال میں تھا (جو اُس وقت منٹگمری کہلاتا تھا) وہاں عیسائی مشن کا بہت بڑا مرکز ہے۔ ایک روز میں نے وہاں جا کر پادری سے اناجیل کے بارے میں یہ سوال کیا کہ ?Which one of them is Bible یعنی تمہاری چار انجیلوں (متی' مرقس' لوقا اور یوحنا) میں سے بائبل کونسی ہے؟ اس نے بڑا پیارا جواب دیا کہ "None of them is Bible;Bible is in them" یعنی "ان میں سے کوئی سی بھی بائبل نہیں ہے' بائبل ان میں ہے"۔ اسی طرح عہد نامۂ قدیم کی پانچ کتابوں میں سے کوئی سی بھی تورات نہیں ہے بلکہ تورات ان میں ہے۔

اس کی حقیقت اس طرح سمجھئے کہ نزولِ قرآن کے ابتدائی دور میں رسول اللہ

ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو احادیث لکھنے سے سختی سے منع کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ "لَاتَكْتُبُوا عَنِّي غَيْرَ الْقُرآن" (رواہ مسلم' عن ابی سعید الخدریؓ) یعنی "مجھ سے قرآن کے سوا اور کچھ مت لکھو"۔ اس لئے کہ اُس وقت قرآن اور حدیث کے باہم گڈمڈ ہو جانے کا امکان تھا۔ اگر اس وقت حضورؐ صحابہؓ کو اس سے منع نہ فرماتے اور بالفرض یہ صورت پیدا ہو جاتی کہ حضورؐ نے جو قرآن سنایا وہ بھی ایک صحابیؓ نے اپنے پاس درج کر لیا' حضورؐ نے کوئی وعظ یا خطبہ ارشاد فرمایا تو اسے بھی نقل کر لیا' پھر سیرت کا کوئی واقعہ آیا تو اسے بھی ساتھ ہی نوٹ کر لیا' تو اس طرح ساری چیزیں باہم گڈمڈ ہو جاتیں۔ دین محمدیؐ چونکہ آخری دین تھا اور قرآن کے بعد کوئی اور کتاب آنے والی نہیں تھی' لہٰذا اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا اور یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہوا۔ چنانچہ "قرآن" علیحدہ ہے جو "وحی بِاللّفظ" (Verbal Revelation) ہے' حدیثِ نبویؐ علیحدہ ہے اور سیرت کی کتابیں علیحدہ ہیں۔ اس طرح یہ تینوں Categories ہمیشہ کے لئے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اگر کہیں خدانخواستہ آپ آج بھی اس طرح کریں کہ تینوں کو گڈمڈ کر دیں' مثال کے طور پر سورۃ الانفال میں جہاں غزوۂ بدر کا ذکر ہو رہا ہے وہاں آپ متن قرآنی کے ساتھ ہی سیرت ابن ہشام یا سیرت ابن اسحٰق سے اس غزوہ کے واقعات بھی درج کر دیں اور اسی میں اس غزوہ سے متعلق حضورؐ کے اقوال بھی شامل کر دیں تو یہ ایک نئی شے وجود میں آ جائے گی۔ بعینہٖ یہی حقیقت عہد نامۂ قدیم کی پانچ کتابوں کی ہے کہ ان میں تورات بھی ہے' حدیثِ موسویؑ بھی ہے' سیرتِ موسویؑ بھی ہے اور تاریخ بنی اسرائیل بھی۔ ظاہر بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو وہ چیز بھی پہنچا رہے تھے جو ان پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی' اپنی تقریریں اور وعظ و نصیحت بھی فرماتے تھے' پھر ان کی اپنی زندگی کے واقعات بھی تھے' یہ سب جمع ہو گئے۔ چنانچہ پانچوں کتابوں کے اندر یہ سب کچھ گڈمڈ ہے۔ اسی طرح اناجیل کے اندر بھی یہی چیزیں ہیں۔ حضرت مسیحؑ پر جو وحی ہو رہی تھی وہ بھی ان میں ہے' اور اس کے ساتھ حضرت مسیحؑ کے اپنے مواعظ اور آنجنابؑ کے حالاتِ زندگی بھی ان میں شامل ہیں۔ گویا کتاب اللہ + حدیثِ نبوی + سیرت + تاریخ' یہ چار چیزیں جمع ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے ضمن میں اناجیلِ اربعہ اور حضرت موسیٰ علیہ

السلام کے ضمن میں تورات کی پانچ کتابیں بنتی ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے ہاں یہ سب چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ کتاب اللہ علیحدہ سے محفوظ ہے' حدیث نبوی ﷺ کے مجموعے الگ ہیں' سیرت الگ سے مرتب صورت میں موجود ہے اور تاریخ کی کتابیں علیحدہ ہیں۔

قرآن -- جامع ترین آسمانی کتاب : ایک اعتبار سے قرآن مجید ان سب چیزوں کا جامع بھی ہے' اس میں یہ چاروں چیزیں بھی موجود ہیں اور پھر یہ چاروں چیزیں علیحدہ علیحدہ حدیث' سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں بھی ہمیں مل جاتی ہیں۔ قرآن حکیم میں سیرت بھی ہے' مثلاً غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب وغیرہ کے حالات تفصیل سے مذکور ہیں۔ اس اعتبار سے انجیل و تورات اور قرآن میں بنیادی فرق ایک تو یہ ہے جو میں نے ابھی بیان کیا' اور دوسرا فرق یہ ہے کہ ذہن انسانی کا جو تدریجاً ارتقاء ہو رہا تھا اس کے اعتبار سے شروع میں صرف اوامر و نواہی (Dos and Donts) دیئے گئے۔ اصل تورات تو صرف وہ احکام تھے جو پتھر کی الواح پر لکھے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے یعنی "اَحکامِ عشرہ" (The Ten Commandments)۔ باقی تو حضرت موسیٰؑ کے مواعظ' سیرتِ موسویؑ اور تاریخ بنی اسرائیل کو جمع کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ عہد نامہ قدیم کی پانچ کتابوں میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ زبور صرف حمد کے ترانوں پر مشتمل تھی۔ قرآن مجید میں بھی حمد کے ترانے جا بجا ملتے ہیں۔ بلکہ حمد کے حوالے سے قرآن حکیم میں میں نے ایک عجیب نکتہ نوٹ کیا ہے اور اس کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قرآن میں تقریباً سات سات پاروں کے بعد سورتوں کے آغاز میں "الحمد" کا لفظ آتا ہے۔ قرآن حکیم کی ابتداء میں سورۃ الفاتحہ کا آغاز ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴾ سے ہوتا ہے۔ ساتویں پارے میں سورۃ الانعام کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے : ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ ﴾ پھر پندرھویں پارے میں سورۃ الکہف کا آغاز ان پُرشکوہ الفاظ سے ہوتا ہے : ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ﴾ پھر اس کے بعد بائیسویں پارے میں "الحمد" سے شروع ہونے والی دو سورتیں' سورۂ سبا اور سورۂ فاطر جڑواں طور پر آ گئی ہیں۔ اور میں

سمجھتا ہوں کہ اخیر کا حق بھی وہیں پر ادا کر دیا گیا ہے۔ ان مقامات کے علاوہ بھی قرآن مجید میں حمد کے ترانے بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ اور یہ حمد آیاتِ آفاقی اور آیاتِ انفسی کے حوالے سے ہوتی ہے۔ تو زبور میں صرف حمد کے ترانے ہیں' احکام نہیں ہیں۔ اور انجیل صرف حکمت و دانائی پر مشتمل ہے' جو دین کے باطنی پہلو سے متعلق ہے۔ دین کا ایک ظاہری پہلو ہے جس سے ہمارے ہاں علمِ فقہ بحث کرتا ہے اور دین کے باطنی پہلو کو ہمارے ہاں تصوف کا دائرہ قرار دے دیا گیا ہے۔ نماز کی ایک ظاہری ہیئت ہے کہ تکبیر تحریمہ اس طرح کہی جائے گی' قیام اس طرح کیا جائے گا' ہاتھ اس طرح باندھے جائیں گے' رکوع اس طرح ہو گا' سجدہ یوں کیا جائے گا وغیرہ' اور ایک اس کی باطنی کیفیت ہے جو مطلوب ہے' یعنی خشوع و خضوع اور حضورِ قلب۔ سجدہ کرو تو ایسے محسوس ہو کہ اپنے رب کے قدموں میں سر رکھ دیا ہے۔

تعلیمِ مسیحؑ کے ضمن میں چار قرآنی الفاظ کا مفہوم

اس ضمن میں یہ سمجھ لیجئے کہ حضرت مسیحؑ کے بارے میں قرآن حکیم میں جو یہ چار الفاظ دو مقامات پر آئے ہیں ان کا مفہوم کیا ہے۔ سورۃ المائدہ کے الفاظ ہیں : ﴿وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ﴾ یعنی "اے مسیحؑ یاد کرو جبکہ میں نے تمہیں سکھائی کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل"۔ اور سورۂ آل عمران میں الفاظ آئے ہیں : ﴿وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ﴾ یعنی "اور اسے اللہ سکھائے گا کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل"۔ دونوں مقامات پر بعینہٖ وہی چار الفاظ آئے ہیں اور ان کے درمیان بظاہر "واو" آیا ہے جسے عام طور پر واوِ عطف شمار کر لیا گیا ہے' اور اسی لئے میں نے بھی ترجمہ "اور" کے ساتھ ہی کیا ہے (کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل) لیکن حقیقت کے اعتبار سے دونوں مقامات پر پہلا اور تیسرا "و" واوِ عطف ہے اور درمیان میں دوسرا "و" واوِ تفسیری ہے۔ گویا اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ "سکھائے گا اس کو / جبکہ میں نے تمہیں سکھائی کتاب بھی اور حکمت بھی یعنی تورات بھی اور انجیل بھی"۔ اس لئے کہ تورات صرف "کتاب" (بمعنی احکام) ہے اور انجیل صرف "حکمت" ہے۔ جبکہ قرآن حکیم عناصر چہار گانہ کا حامل ہے :

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنے آپ کو "وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ" قرار دیا ہے۔ یہ الفاظ سورۃ المائدہ کی آیت ۴۸ میں آئے ہیں :

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾

"(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ پر جو کتاب نازل کی ہے' یہ کتاب میں سے جو کچھ پہلے نازل ہو چکا تھا اس کی تصدیق بھی کر رہی ہے اور اس پر محافظ و نگران اور حاکم بھی ہے"۔

قرآن حکیم میں "مُهَيْمِن" کا لفظ صرف دو مرتبہ آیا ہے۔ ایک زیر نظر مقام پر قرآن کے لئے اور دوسرے سورۃ الحشر کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کے ذیل میں : ﴿اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾ اور "مُهَيْمِن" کے لفظی معنی میں امین ہونا' غالب ہونا' محافظ ہونا' نگہبان ہونا اور حاکم ہونا کا مفہوم ہے۔ قرآن ان تمام کتابوں کا جامع بھی ہے' محافظ بھی ہے' نگران بھی ہے' حاکم بھی ہے۔ یہ قرآن کی شان ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان سب اجزاء کو جمع کر دیا جو باقی تینوں کتابوں میں آئے تھے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا پچھلی کتابوں میں کتاب کا مصداق تورات اور حکمت کا مصداق انجیل ہے' جبکہ حمد کے ترانے زبور میں ہیں --- اور یہ تینوں اجزاء اس آخری کتاب میں جمع ہو گئے ہیں۔ "وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ" کے مصداق یہ تمام سابقہ کتب سماویہ کی نگران بھی ہے' امین بھی ہے' محافظ بھی ہے اور حاکم بھی ہے۔

تعلیماتِ مسیحؑ اور تعلیماتِ نبویؐ میں مطابقت

اب میں حضرت مسیح علیہ السلام اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں مطابقت اور مماثلت کی چند مثالیں پیش کر رہا ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی عدم تشدد کی تعلیم کے بارے میں ہمارے واعظ حضرات اکثر غیر محتاط رویہ اختیار کرتے ہوئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ بڑی غیر فطری تعلیم ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپؑ کی یہ تعلیم آپؑ کی جدوجہد

کے ایک خاص دور سے متعلق تھی۔ سیرتِ نبویؐ کے اس دور سے متعلق بعینہٖ یہی تعلیم محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ کیا مکہ میں انتقام ' قصاص اور بدلہ لینے کی اجازت تھی؟ نہیں! بلکہ تعلیم یہ تھی کہ چاہے تمہارے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں' تمہیں زندہ جلا دیا جائے' تم جوابی کارروائی نہیں کرو گے! یہ ہر انقلابی جدوجہد کا ایک مخصوص مرحلہ ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ' خدانخواستہ' جیساکہ قریش نے سازش کی تھی' رسول اللہ ﷺ قتل ہو جاتے یا بالفرض آپؐ کو بھی زندہ آسمان پر اٹھالیا جاتا تو ظاہر ہے کہ بات بس یہیں تک رہتی' اگلا مرحلہ کہاں آتا؟ وہ جہاد و قتال کے مرحلے اور بدر و حنین کے معرکے کیونکر پیش آتے؟ تو حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی جدوجہد کے پہلے مرحلے میں عدم تشدد کی جو تعلیم دی وہ ان حالات میں صدفی صد درست تعلیم تھی۔ اسی تعلیم کی جھلک ہمیں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث میں بھی ملتی ہے۔ ایک حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں : ((اَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِتِسْعٍ)) "میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے"... اور ان میں سے تین باتیں آپؐ نے یہ فرمائیں : ((وَاَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِی' وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِی' وَاَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِی)) یعنی "جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں' جو مجھے محروم کرے میں اسے دوں' اور جو مجھ پر ظلم کرے میں اسے معاف کر دوں"۔ اب دیکھئے اس میں قصاص اور بدلے کی تعلیم کہاں ہے؟ تو کیا یہ' معاذ اللہ' خلافِ فطرت تعلیم ہے؟ یہ تو ایک حکیمانہ تعلیم ہے۔ یہ اسلام کی روحانی تعلیم ہے جس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ یہ قانون نہیں ہے' قانون وہی رہے گا جو قرآن میں بایں الفاظ بیان ہوا :

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ "اے ہوشمندو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے"۔ لیکن اگر آپ بدلہ لینے پر قادر ہوں' پھر بھی معاف کر دیں تو اس کے بارے میں فرمایا : ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (الشوریٰ : ۴۳) "البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے' تو یہ بڑی اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے"۔ قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دینے سے انسان کو ناقابلِ بیان لذت محسوس ہوتی ہے اور بڑا روحانی ترفع حاصل ہوتا ہے۔ تو یہ روحانیت اور حکمت کی تعلیم ہے' بلند مراتب کے حصول کی تعلیم ہے جو دی جا رہی ہے۔ میں ہمیشہ بیان کرتا رہا

ہوں کہ مکہ میں بارہ برس تک "Order of the day" یہی تھا کہ ہر طرح کے تشدد کو کسی مزاحمت کے بغیر برداشت کرو ایہی بات حضرت مسیحؑ کہہ رہے ہیں کہ "شریر کا مقابلہ نہ کرنا' بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے!"
(متی : ۵-۳۹)

میں نے اپنی پوری زندگی میں آج تک جو مواعظ پڑھے ہیں ان میں حضرت مسیح علیہ السلام کے "پہاڑی کے وعظ" (Sermon of the mount) سے زیادہ دلپذیر اور مؤثر کوئی وعظ نہیں پڑھا۔ یہ مفصل وعظ متی کی انجیل کے پانچویں باب سے شروع ہوتا ہے۔ اس وعظ کے چند ابتدائی جملے ملاحظہ کیجئے :

"مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی ان ہی کی ہے۔
مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔
مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔
مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وہ آسودہ رہیں گے۔
مبارک ہیں وہ جو رحمدل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا۔
مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو دیکھیں گے"۔

ان کو پڑھتے ہوئے آدمی بظاہر یہ محسوس کرتا ہے کہ شاید یہ بدھ مت کے بھکشوؤں کو تعلیم دی جا رہی ہے۔ اسلام کی تعلیم میں تو جہاد و قتال لازمی اجزاء کی حیثیت رکھتے ہیں : ﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ﴾ "اور جنگ کرو اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو تم سے جنگ کرتے ہیں"۔ لیکن درحقیقت یہ چیزیں اتنی نمایاں ہو گئی ہیں کہ دوسری چیزیں سرے سے نگاہوں سے اوجھل ہیں' حالانکہ وہ بھی ہمارے دین میں اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں موجود ہیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ اس میں اور حضرت مسیحؑ کے مواعظ میں کس قدر کامل مطابقت ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی آنحضور ﷺ کی ایک دعا کے الفاظ نقل ہوئے ہیں : ((اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاکِیْنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ)) "اے اللہ!

مجھے مسکین ہی زندہ رکھ' مسکینی کی حالت ہی میں مجھے موت آئے' اور قیامت کے روز تو مجھے زمرۂ مساکین میں اٹھائیو!" حضرت عائشہ ؓ نے کہیں حضور ﷺ کو یہ دعا مانگتے سن لیا تو آپ ؐ سے سوال کیا : لِمَ یارسولَ اللہ ؟"کیوں؟اے اللہ کے رسولؐ!" (آپ ؐ مسکینی کی یہ دعا کس لئے مانگ رہے ہیں؟) قال : ((اِنّھم یَدخُلونَ الجنّۃَ قبلَ الأغنیاءِ باربعینَ خریفًا)) آپ ؐ نے فرمایا : "یہ مساکین دولت مندوں کے مقابلے میں چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے"۔((یاعائشۃُ لاتَرُدّی المسکینَ وَلَوبِشقِّ تَمرۃٍ))"اے عائشہؓ' کبھی کسی مسکین کو خالی ہاتھ واپس نہ لوٹانا' چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی تمہارے پاس ہو تو وہی اس کو دے دینا!" ((یا عائشۃ اَحِبّی المساکین 'وَقرّبیھِم 'یُقرّبُکِ اللّٰہُ یَومَ القِیامۃِ)) "اے عائشہ : مسکینوں سے محبت کرنا اور انہیں اپنے سے قریب رکھنا' تمہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنا قُرب عطا فرمائے گا"۔ تو یہ وہ تعلیم ہے جو ہمارے ہاں نظروں سے اوجھل ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم میں سے بعض غیر محتاط لوگ حضرت مسیحؑ کی تعلیم کو خلافِ فطرت قرار دے دیتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا' قرآن مجید جامع ترین کتاب ہے اور اس میں آیات 'احکام' حکمت اور تزکیہ ساری چیزیں جمع ہیں' پھر یہ سابقہ کتبِ سماویہ پر مُھَیمِن یعنی نگران و نگہبان بھی ہے اور بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو اس میں قانونی تعلیمات کے ساتھ ساتھ روحانی تعلیمات بھی ملتی ہیں۔

میں نے آغازِ خطاب میں یوحنا کی انجیل کا حوالہ دیا تھا۔ اس میں حضرت یوحنا کا یہ جملہ ملاحظہ کیجئے :

> "اس لئے کہ شریعت تو موسیٰ کی معرفت دی گئی مگر فضل اور سچائی یسوع مسیح کی معرفت پہنچی"۔ (یوحنا : ۱-۱۷)

یعنی قانونِ شریعت تو ہمیں موسیٰؑ کے ذریعے دیا گیا لیکن حقیقت الحقائق گہرائی اور حکمت درحقیقت مسیحؑ کے ذریعے آئے ہیں۔ ان ہی دو چیزوں کے لئے قرآن حکیم میں "کتاب" اور "حکمت" کے الفاظ آئے ہیں۔ "کتاب" سے مراد احکام ہیں اور "حکمت" نام ہے

ذہن و فکر اور فہم کی گہرائی کا' روحانیت اور حقائق باطنی تک رسائی کا' اور دین کے اندرونی پہلو (Esoteric Element) کا۔ چنانچہ تورات "کتاب" ہے اور انجیل "حکمت" ہے۔ اور اگر آپ انجیل کی تعلیمات کا احادیثِ نبوی ؐ سے تقابل کریں گے تو آپ کو ان کے مابین مماثلت اور مطابقت نظر آئے گی۔ اس لئے کہ قانون تو انجیل میں ہے ہی نہیں۔ وہ تو خود حضرت مسیح ؑ نے فرمادیا تھا کہ :

> "یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں"۔ (متی : ۵-۱۷)

یعنی میں شریعتِ موسوی کو منسوخ کرنے نہیں آیا' شریعت تو وہی رہے گی۔ اسے تو سینٹ پال نے منسوخ قرار دیا' جبکہ حضرت مسیح ؑ کا مذکورہ بالا قول آج بھی انجیل میں موجود ہے۔ یہ بات جان لیجئے کہ انجیل میں بہت کم تحریف ہوئی ہے۔ اناجیلِ اربعہ (متی' مرقس' لوقا اور یوحنا) کی حد تک مجھے تو ان میں کوئی گمراہ کن نظریات یا غلط عقائد نظر نہیں آئے۔ یہ ضرور ہے کہ انجیل کا متن اس طرح کا تو نہیں ہے جیسے قرآن کا ہے کہ وہ لفظاً اور حرفاً محفوظ ہے۔

حدیثِ نبوی ؐ سے انجیل کی مشابہت کی ایک چھوٹی سی مثال اور ملاحظہ کیجئے۔ انجیل میں طلاق کے بارے میں حضرت مسیح ؑ کے الفاظ نقل ہوئے ہیں :

> (تورات میں) "یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ کر دے۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑے وہ اس سے زنا کراتا ہے"۔ (متی : ۵-۳۱'۳۲)

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح ؑ کے قول کو نقل کرنے میں کہیں ذرا لفظی اونچ نیچ ہو گئی ہے' ورنہ حقیقت کے اعتبار سے آپ ؑ کی بات بالکل درست ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اگرچہ ہماری شریعت میں قانون کے اعتبار سے طلاق جائز ہے' لیکن حدیث میں اس کے لئے بڑے سخت الفاظ آئے ہیں : ((اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ)) (ابوداوٗد' عن ابن عمرؓ) یعنی "اللہ تعالیٰ کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ نفرت طلاق سے ہے"۔ نوٹ کیجئے کہ یہاں طلاق کے لئے "اَبْغَض" کا لفظ آیا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مبغوض ترین چیز ہے۔ بغیر کسی حقیقی سبب کے عورت کو طلاق دے دینا انتہائی ظلم ہے۔ اور بعض

جگہ تو طلاق کو محض عیاشی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ یعنی پہلے سے چار بیویاں موجود ہیں اور کسی پانچویں پر دل آ گیا تو ایک بیوی کو طلاق دے دی تاکہ پانچویں اپنے حبالۂ عقد میں آ جائے۔ ہمارے عرب ممالک کے امراء و شیوخ یہی کچھ تو کرتے ہیں۔ اور پھر بڑے بڑے حرم بنتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ جو عورت کچھ عرصہ کسی امیر کی بیوی رہی ہو کیسے ممکن ہے کہ وہ اسے کسی اور کی زوجیت میں جانے کی اجازت دے دے۔ اب وہ بے چاری وہاں اس حال میں رہے گی کہ نہ وہ شوہر والی ہے اور نہ دوسری شادی کرنے کے لئے آزاد ہے۔ بس اسے نان نفقہ ملتا رہے گا اور وہ ایک "Human Vegetable" بن کر زندگی گزار دے گی۔ اب ظاہر بات ہے کہ ایسی کسی عورت سے اگر کوئی غلط حرکت سرزد ہو جائے تو اس کا ذمہ دار وہی شخص ہو گا جس نے اس کو طلاق دی ہے۔ یہ بات تھی جو حضرت مسیحؑ نے کہی تھی جسے عیسائیوں نے قانون کا درجہ دے دیا' حالانکہ حضرت مسیحؑ نے خود فرمادیا تھا کہ قانون تو تورات کا رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ طلاق کے بارے میں جو بات آنحضور ﷺ نے فرمائی تھی تقریباً وہی بات حضرت مسیحؑ نے فرمائی۔ گویا کہ ایسی عورت کی بدکاری کا ذمہ دار وہ شخص ہے جس نے اسے طلاق دی۔

میرے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات اور احادیثِ نبویؐ کے تقابلی مطالعے اور ان کے مابین مطابقت تلاش کرنے کی گہری ضرورت ہے' تاکہ ہمارے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ان غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہو سکے کہ حضرت مسیحؑ کی تعلیمات غیر فطری ہیں۔ گاندھی جی کے عدم تشدد کے بارے میں یہ روایت میں نے بارہا سنائی ہے جو منفصل یا منقطع نہیں بلکہ متصل روایت ہے۔ یعنی مجھ سے جناب میم شین نے بیان کیا' انہیں سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان نے بتایا اور ان سے خود مہاتما گاندھی نے یہ بات کہی کہ میں نے عدم تشدد حضرت مسیح اور حضرت محمد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) سے سیکھا ہے۔ اس اعتبار سے اسے خلافِ فطرت کہنا درست نہیں ہے بلکہ عدم تشدد کی تعلیم دراصل انقلابی جدوجہد کے ایک خاص دور میں ناگزیر ہوتی ہے۔ اسے اس خاص تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کسی بھی انقلابی تحریک میں ایک مرحلہ صبرِ محض (Passive Resistance) کا ہوتا ہے اور اس کے بعد پھر ایک مرحلہ "اِقدام" (Active Resistance) کا آتا ہے۔ رسول

اللہ ﷺ کی جدوجہد جب "اقدام" کے مرحلے میں داخل ہوئی تب حکم دیا گیا کہ "اب جنگ کرو ان سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں" اور "ان کو قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ان کو وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا" لیکن صرف جہاد و قتال کے ان احکام ہی کو نہ دیکھئے۔ یہ بھی دیکھئے کہ مکہ میں کیا حکم تھا؟ یہ کہ : "کُفُّوا اَیْدِیَکُمْ" (اپنے ہاتھ بندھے رکھو!) دشمن مار رہا ہے تو مار کھاؤ' لیکن ہاتھ نہ اٹھاؤ اور وہی طرز عمل اختیار کرو جو حضرت ہابیل نے اپنے بھائی قابیل کے مقابلے میں اختیار کیا تھا اور کہا تھا : ﴿ لَئِنْ بَسَطْتَ اِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَا اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْکَ لِاَقْتُلَکَ ﴾ یعنی "اگر تم اپنا ہاتھ مجھے قتل کرنے کے لئے بڑھاؤ گے تو بھی میں اپنا ہاتھ تمہیں قتل کرنے کے لئے نہیں بڑھاؤں گا"۔ یہی طرز عمل شہیدِ مظلوم' خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی ؓ نے اُس وقت اختیار کر کے دکھایا جبکہ آپؓ ذوالقرنین کی مملکت سے کم از کم تین گنا بڑی مملکت کے فرمانروا تھے' ان کے صرف ایک حکم پر لاکھوں کی تعداد میں فوجیں آ سکتی تھیں' حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کی طرف سے مسلسل پیغام آ رہے تھے' شام کی فوجیں تیار کھڑی تھیں کہ آپؓ اجازت دیں تو ان مٹھی بھر سبائیوں کو پیس کر رکھ دیں۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ میں اپنی جان کے تحفظ کے لئے کسی کلمہ گو کا خون بہانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اس لئے کہ یہ "کلمہ گو" تو ہیں' جھوٹے ہیں یا سچے' اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا۔ ان کے دل میں کیا ہے' وہ میں نہیں جانتا۔ البتہ اگر یہ مجھے قتل کر دیں تو پھر تم ان سے قانون کے مطابق قصاص لینا۔ تو واقعہ یہ ہے کہ اگر "صبرِ محض" کو "اقدام" کے مقابلے میں اور "اخلاقی و روحانی تعلیمات" کو "قانون" کے مقابلے میں رکھ کر دیکھا جائے تو اناجیلِ اربعہ میں حدیثِ نبویؐ کے ساتھ بڑی کامل مشابہت اور مطابقت نظر آئے گی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ میں صرف اناجیلِ اربعہ کی بات کر رہا ہوں' عیسائیت میں بعد میں در آنے والی سینٹ پال کی تعلیمات کا ذکر نہیں کر رہا۔ اس لئے کہیں آپ کسی مغالطے کا شکار نہ ہو جائیں۔

اقول قولی ہذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ○○

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاهور

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان — اور — **سرچشمۂ یقین**

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے — اور — اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی **نشأۃِ ثانیہ** — اور — **غلبۂ دینِ حق** کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ